حضرت عبداللہؓ بن عبدالمطلبؓ

مصنف

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی ○ پاکستان

مصنّف

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب
مصنف	ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	اپریل 2013ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	TK22
قیمت	-/200 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350۔ فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-32212011-32630411 فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست موضوعات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنیادی بات

یہ بھی ایک عجب اتفاق ہے کہ آج سے تقریباً دس سال قبل ایک مخلص دوست، جناب میاں محمد حنیف، فیصل آباد، کے کہنے پر اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ، سلام اللہ علیہا، کی عظیم شخصیت اور پاکیزہ زندگی کے متعلق ''سیدہ آمنہ'' سلام اللہ علیہا کے عنوان سے ایک مختصر سی کتاب لکھنے کی توفیق ہوئی تھی، پھر غیبی اشارات ہوئے اور دوستوں کے کچھ مشورے آئے جن کے نتیجے میں کتاب پر نظر ثانی ہوئی تو بات اختصار سے تفصیل کی طرف نکل گئی (مگر اب پھر تاریخ کی اس عظیم ترین خاتون اور خوش نصیب ترین ماں کے متعلق مزید حقائق اور تازہ معلومات جمع ہوچکی ہیں جو مجھے کتاب پر نظر ثالث کی دعوت دے رہی ہیں!)، کتاب کی طبعِ مفصل بعنوان: ''والدہ ماجدہ سیدنا محمد مصطفیٰ'' کا نسخہ ہمدم دیرینہ اور محب گرامی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی نذر کیا تو ایک دن فرمانے لگے: یار اب سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے متعلق بھی کچھ لکھئے، اور میں نے کوشش کا وعدہ تو کرلیا مگر گذرتا وقت ہاتھ سے نکلتا رہا اور مکروہاتِ زمانہ رستہ روکتی رہیں اور یوں تقریباً پانچ سال بعد تعمیل ارشاد کی اب توفیق ہورہی ہے! لگتا ہے اس مختصر کو بھی مفصل کرنا پڑے گا مگر بشرط زندگی اور مکروہات زمانہ سے چھٹکارا کی صورت میں، تاہم اس مختصر میں بھی ایمان کی تازگی کے ساتھ دلچسپی کا سامان بھی ہے،

یہ باتیں تو شاید زیادہ تر پرانی ہی لگیں گی مگر پرانے الفاظ کو نئے معنی پہنانے کی کوشش ضرور ہوئی ہے، یہ جدت معنی کچھ بلند، قدرے گہری اور کافی حد تک وسیع ہے،

نئے انداز نے معنی کی اس بلندی، گہرائی اور وسعت کو ایک خوشگوار رنگ دے کر بات کو دلچسپ اور مفید بھی بنا دیا ہے۔

یہ عجالۂ نافعہ دراصل، ایک ماہ رمضان المبارک (۱۴۳۳ھ) کے تیس دنوں اور راتوں کا ثمر ہے، البتہ اب حیات مستعار کے باقی لمحات میں سے چند دن حضرت داتا صاحب (مرشد لاہور کی تشریف آوری اپنی نگری میں) کے ساتھ ساتھ بابا بلھے شاہ (تعارف اور منتخب کلام عربی میں، ان شاء اللہ!) کی نذر کرنا ہیں! آئندہ رمضان المبارک (۱۴۳۴ھ) ان شاء اللہ، اماں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق اپنی نامکمل کاوش کی تکمیل کا عزم ہے، والتوفیق بید اللہ، عز و جل!

ظہور احمد اظہر

حضرت عبداللہ کے اجداد: صَنادیدِ قریش

اپنے وقت میں وادئ بطحا کے جوانِ رعناء و پاکباز سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب، سلام اللہ علیہما، خانوادۂ قریش کے بے حد نمایاں، معتبر اور ہر دلعزیز نوجوان تھے مگر ان کا مرتبہ و مقامِ قبیلہ قریش کی بدولت نہ تھا بلکہ ان کی وجہ سے قریش مکہ کو شرف و عظمت عطا ہوئی کیونکہ وہ دریتیم اور رسول اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی ہیں، یوں گویا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور قبیلہ قریش کو جو شرف اور عظمت نصیب ہوئی وہ صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل نصیب ہوئی! بعثت نبوی، علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، اور ظہورِ اسلام کی وجہ سے قریش مکہ کو وہی حیثیت اور مقام حاصل ہو گیا تھا جو کسی بادشاہ کے طفیل اس کے شاہی خاندان کو حاصل ہو جایا کرتا ہے اور اس حقیقت کا اس وقت کے تمام عرب وعجم کو بھی اعتراف تھا! اسی لئے تو فارسی الاصل عربی زبان کا مشہور شاعر بشّار بن بُرد اپنی قوم کے ایرانی شاہی خاندان کو بھی "قریش العجم"، یعنی فارس یا ایران کا قبیلہ قریش قرار دیتا ہے (۱)، عباسی دور کے عرب شاعر ابن الرومی نے بھی اس حقیقت کو ایک نئے معنی پہنائے ہیں اور کیا خوب پہنائے ہیں وہ کہتا ہے (۲):

وَكَمْ أَبٍ قَدْ عَلَا بِابْنٍ ذُرىٰ شَرَفٍ

كَمَا عَلَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ عدنان!

یعنی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ باپ کو بیٹے کے طفیل عظمت و شرف کی چوٹی نصیب ہو جاتی ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل بنو عدنان یا قبیلہ قریش کے جد اعلیٰ عدنان کو عظمت و شرف کی بلندی نصیب ہو گئی!

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ محض حسب ونسب اور رنگ ونسل کے طفیل کسی کی بڑائی ہرگز معتبر نہیں رہی، بلکہ اس کے لئے عملی کارنامے مطلوب ہوتے ہیں، اگر کوئی محض اپنی نسل پر اتراتا ہے یا صرف رنگ پر فخر کرتا ہے تو یہ باطل ہے، کیونکہ اللہ رب العزت کے حکم کی رو سے تمام انسان ایک مرد وعورت یعنی آدم وحواء علیہما السلام کی اولاد ہیں اس لئے سب بھائی بھائی اور برابر ہیں (۳)، کسی گورے کو کسی کالے پر یا کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہے، فضیلت اور برتری کا تعلق تو صرف عملی کارناموں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر و اعلیٰ عملی کارنامہ صرف تقویٰ ہے اور تقویٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کا اطاعت گذار بندہ ہونا اور خلق خدا کا بہترین خدمت گار ہونا ہے! جو بہترین عبادت گذار اور بہترین خدمت گار ہے افضل، اعلیٰ و برتر صرف وہی ہے، ہاں مگر جان پہچان انسان کی ضرورت اور مجبوری ہے اس لئے اللہ کی حکمت یہ ہے کہ اس نے تمام انسانوں کو اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے قبیلہ میں ایک جگہ پر رکھا ہے تاکہ جان پہچان میں آسانی رہے، اس جان پہچان کی سہولت کے سوا قوم اور قبیلہ کے حوالے سے باقی سب دعوے باطل ہیں، چنانچہ اس ضمن میں قرآن کریم میں وارد حکم ربانی کا ترجمہ یوں ہے (۴):

"اے دنیا کے انسانو، سن لو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے پیدا کیا ہے! اور تمہیں قوموں اور قبائل میں اپنی اپنی جگہ پر رکھ دیا ہے تاکہ تمہیں باہمی جان پہچان میں آسانی رہے! یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے سب سے زیادہ معزز اور محترم صرف متقی بندہ ہی ہے (اور متقی وہ ہے جو تقویٰ کی راہ اپناتا ہے اور تقویٰ کی راہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا بہترین بندہ ہو اور خلق خدا کا بہترین خدمت گار ہو! گویا حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں جو بہترین ہے وہی متقی اور صرف وہی

افضل اور بہترین ہے)''۔

قریش کے لوگ نہ صرف اللہ کا حق ادا کرتے تھے بلکہ بیت اللہ کی زیارت کے لئے آنے والوں کے حقوق بھی ادا کرتے تھے، اسی لئے فرمان نبوی یہ ہے کہ: (۵)

''اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں میں سے بنو کنانہ کو چنا، بنو کنانہ میں سے عربوں کو چنا، اور عربوں میں سے قریش کو چنا، قریش میں سے بنو ہاشم کو چنا اور بنو ہاشم میں سے مجھے چنا!''

تاہم اس انتخابِ خداوندی پر اترانے یا اس پر فخر کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کیا اور اسے ناپسند فرمایا بلکہ ایسا کرنے کو باطل قرار دیا!

البتہ قریش مکہ کی فضیلت کا عرب لوگ بخوشی اعتراف کرتے تھے اور ان کی حکمرانی، سرداری، ثالثی یا تحکیم (جج اور قاضی ماننا) کو مانتے تھے اور ان کے فیصلوں کا احترام کرتے اور ان پر عمل بھی کرتے تھے لیکن یہ سب کچھ بلا سبب، بلا وجہ اور مفت میں نہ ہوتا تھا بلکہ انہوں نے اپنے معاشرتی ثقافتی اور قومی کارناموں اور حجاج بیت اللہ کی خدمات کی وجہ سے یہ عزت اور احترام پایا تھا۔

اب ہم یہاں پر عرب مستعربہ کے جد اعلیٰ عدنان تک حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا نسب نامہ یا سلسلہ نسب درج کرتے ہیں (اور یاد رہے کہ ان کے فرزند ارجمند سید وُلدِ آدم حضرت مُحمّدٌ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ نسب یا نسب نامہ بھی یہی ہے اور اسی لئے اس نسب نامہ کو ہم یہ اہمیت دیتے ہیں) اور پھر اس لڑی کے بعض نمایاں اور چنے ہوئے پھولوں اور اس ہار کے بعض قیمتی موتیوں کا الگ الگ مگر نہایت مختصر تذکرہ بھی کریں گے نسب کی اس زنجیر کے حلقے اور اس سلسلۂ نسب کے نام یوں ہیں (٦):

''عبداللہ بن عبدالمطلب (اصل نام شیبۃ الحمد ہے) بن ہاشم (اصل نام عمرو العلیٰ ہے) بن عبد مناف (اصل نام المغیرہ ہے) بن قُصَیّ (اصل

نام زید ہے) بن کلاب بن مُرّہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر (انہی کو قریش بمعنی جمع کرنے والا، متحد کرنے والا، جوڑنے والا، کہا گیا) بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مُضَر بن نزار بن مَعَدّ بن عدنان۔

لفظ قریش کے کیا معنی ہیں؟ قریش کسی کا نام ہے یا لقب؟ اور قریش ہے کون؟ یہ اور اسی نوع کے بہت سے سوالات ہیں جن کے جوابات کتب لغت، انساب، سیرت، تاریخ، اور تراجم (تذکروں) سے تلاش کئے جاسکتے ہیں، یہاں پر زیادہ تفاصیل کی نہ ضرورت ہے، نہ افادیت ہے اور نہ اس کی گنجائش ہے، اختصار اور اجمال سے کام لیتے ہوئے صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ

قُریش قرش سے مشتق ہے اور اس کے لفظی یا لغوی معنی ہیں اکٹھا کرنا اور جمع کرنا، اگر اس کا بابِ تفعل (تَقَرُّش) استعمال ہو تو اس کے معنی ہیں جمع ہونا اور اکٹھا ہونا، چنانچہ قارش (فاعل) جمع کرنے والے یا اکٹھا کرنے والے کو کہتے ہیں، جبکہ مُتَقَرِّش (صیغہ اسم فاعل از تقرش) جمع ہونے والا یا اکٹھا ہونے والا، مگر قُریش (فُعَیْل کے وزن پر) اسم تصغیر ہے اس لئے اس کے معنی اور مفہوم کے سلسلے میں اہل علم نے بڑی عجیب تفاصیل اور موشگافیوں سے کام لیا ہے جن کے لئے یہاں گنجائش نہیں ہے۔(۷)

بعض علمائے لغت ونسب کی رائے یہ ہے کہ قریش لقب ہے: (۱) النضر بن کنانہ کا (۲) قُصَیّ بن کلاب کا (۳) فہر بن مالک کا، مگر قابل ترجیح یہی ہے کہ قریش فہر بن مالک کا ہی لقب ہے۔

فہر بن مالک نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو اتحاد اور اتفاق پر آمادہ کیا تھا اور بعض مفید اصول اور ضوابط بھی دیئے تھے جو ان کی زندگی کا حصہ بن گئے اور پھر وہ تاریخ میں ایک قابل تقلید اور قابل عمل روایت بن گئے، اس لئے قبیلے کے لوگوں نے اپنے

سردار فہر بن مالک کو جمع کرنے والے اور متحد کرنے والے کے خوبصورت لقب سے یاد کیا، اس لئے اس سلسلۂ نسب یا زنجیر کے حلقات میں سے یا اس سنہری لڑی کے موتیوں میں سے پہلا قابل توجہ حلقہ یا موتی بھی قریش یعنی فہر بن مالک ہی ہے، چنانچہ شاعر دربار نبوت، علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، حضرت حسان بن ثابت انصاری، رضی اللہ عنہ، کا مشہور شعر ہے، وہ فرماتے ہیں: (۸)

اِنَّ الذَّ وَائِبَ مِنْ فِهْرٍ وَ اِخْوَتِهِمْ قَدْ بَيَّنُوْا سُنَّةً لِلنَّاسِ تُتَّبَعُ

یعنی عظمتوں کی تمام بلندیاں تو فہر کی اولاد، مہاجرین قریش اور ان کے بھائیوں، اوس وخزرج، کے انصار کا مقدر ہیں جنہوں نے انسانوں کے لئے ایسے عملی نمونے قائم کئے ہیں جو قابل تقلید ہیں! اسی لئے فہر بن مالک کے بعد اس لڑی والے کو قُرَشیُ یا قریشی کہا گیا، اس سے پہلے والوں یا اوپر والوں کو قُرَشیُ یا قریشی نہیں کہیں گے۔

فہر بن مالک کے بعد اس سنہری لڑی کے موتیوں میں سے دوسرا قابل توجہ موتی قُصَیّ بن کلاب ہے جس کا اصل نام زید بن کلاب ہے، اس کلاب بن مرہ نے جس خاتون سے شادی کی تھی اس کا نام فاطمہ بنت سعد تھا، ان کے دو بیٹے ہوئے، بڑے کا نام زُہْرَہْ اور چھوٹے کا نام زید رکھا گیا، زید ابھی دودھ پیتا بچہ تھا کہ ان کے والد کلاب کی وفات ہو گئی، پھر قبیلہ قُضاعہ کی ایک شاخ بنو عُذْرَہْ کے ایک فرزند ربیعہ بن حرام سے فاطمہ بنت سعد کی دوسری شادی ہو گئی اور اس دوسرے شوہر نے اپنی اہلیہ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہا تو دودھ پیتا بچہ زید بن کلاب جو حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا جد اعلیٰ بھی ہے، بھی ماں کے ساتھ گیا مگر زہرہ (حضرت آمنہ کے قبیلے کا جدِ اعلیٰ) چونکہ جوان تھا اس لئے وہ مکہ مکرمہ ہی میں رہ گیا، اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ زہرہ بن کلاب بن مرہ اور زید بن کلاب بن مرہ میں دونوں (حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ، سلام اللہ علیہما) کے نسب کے سلسلے جڑ جاتے ہیں! (۹)

زید چونکہ اہل مکہ یا دوسرے لفظوں میں قبیلہ قریش سے دور بلاد بنو قضاعہ میں پلا بڑھا تھا اس لئے اہل مکہ اسے قُصَیّ (دور والا) زید کہنے لگے تھے، بعد میں یہی لقب یا صفت ہی نام بن گیا اور اصلی نام (زید) ذہنوں سے اوجھل ہو گیا، قبیلہ قریش کے اس عظیم و جلیل فرزند کی عملی زندگی ایک شاندار تاریخ سے عبارت ہے اور باعث عبرت بھی ہے جیسا کہ ابھی ہم دیکھیں گے، لیکن اس سے پہلے حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے عظیم القدر فرزند حضرت اسماعیل ذبیح اللہ، علیہما السلام، کی اولاد امجاد اور وارثِ روایات عربوں کی قیادت و سیادت کے سرچشمہ قبیلہ قریش کے ماویٰ و مسکن وادیٔ بطحاء کے شہرِ شہرۂ آفاق مکہ مکرمہ کی بات ضروری و مناسب ہوگی!

اس شہر شہرۂ آفاق مکہ مکرمہ (جسے سعودی جرائد اور وسائلِ اعلام بجا طور پر العاصمۃ المقدسۃ یعنی مقدس راجدھانی کہتے اور لکھتے ہیں) میں دو ایسے عجائبات عالم پائے جاتے ہیں جن کی امتیازی شان اور خصائص کی مثال نہ صرف روئے زمین پر بلکہ پوری کائنات میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی! یہ امتیازی شان اور خصائص ہر زمانے میں، خصوصاً آج کی علم و تمدن کی مالک انسانیت کے لئے ایک معروضی سبق اور مرقع عبرت بھی ہیں! ان میں سے ایک تو بیت اللہ شریف و محترم ہے اور دوسرا آب زم زم ہے!! بیت اللہ الحرام کی تاریخ ذکر آدم سے قبل کی بات ہے اور یہ انسانیت کی تاریخ کا سرعنوان بھی ہے، شاعر اسلام نے کیا خوب سماں باندھا ہے: (۱۰)

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

اور یہ اقبالی حکمت دراصل خداوندِ قدوس کے ارشادِ پاک کے سایہ میں وجود پاتی ہے: (۱۱)

”اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ

یعنی بلاشبہ اولین بیت اللہ کہ جو انسانیت کے لئے بنایا گیا وہ تو وہی ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے، جو تمام جہانوں کے لئے سراپا برکت اور ہدایت ہے''

شرک و بت پرستی سے نڈھال قدیم دنیا میں بننے والا سب سے پہلا خانۂ توحید ربانی، بیت اللہ الحرام، عبرتوں سے لبریز تاریخ رکھتا ہے، سراپا تواضع، حضرت ابوالبشر کی توبہ قبول ہوئی تو عالم ملکوت کے بیت المعمور سے اُنسیت کے خوگر مسجود ملائک قرار پانے والے آدم علیہ السلام کے لئے، روئے زمین پر بھی اس اولین خانہ خدا کی نشاندہی ہوئی اور نہ جانے کتنی بار پیدل چل کر آدم خاکی اپنی رفیقہ حیات سیدہ حواء کے ہمراہ اس بیت اللہ الحرام کے حج و زیارت کے لئے تشریف لاتے رہے تھے (۱۲) مگر پھر، مدتوں کے لئے انسانیت کا یہ اولین اور منفرد قبلہ رہنے والا بیت اللہ،، طوفانِ نوح کی نذر ہو گیا اور دوبارہ اس کی بنیادیں اٹھانے کی توفیق کسی کو نصیب نہ ہوئی کیونکہ یہ شرف سجلّات ربانی میں موحد اعظم ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور ان کے فرزند ارجمند اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے لئے مقدر اور مختص ہو چکا تھا (۱۳)! قریش ہی کے بعض نادانوں نے اس خانہ خدا کو بت پرستی کی آماجگاہ بھی بنا دیا شاید اس لئے کہ حقدار ورثہ ابراہیمی، اور احیائے سنت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے علمبردار، اور تمام رسل و انبیاء کی نبوتوں اور رسالتوں کی تصدیق و تکمیل کے ذمہ دار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیائے بت پرستی پر آخری ضرب کاری لگا کر عالم انسانیت میں توحید ربانی کا ڈنکا بجا دیں۔

لیکن ہم نے بیت اللہ الحرام کی تاریخ میں گم نہیں ہونا بلکہ صرف اس اولین خانۂ توحید کی امتیازی شان اور خصائص کی نشاندہی کرنا ہے تا کہ دنیا کے بتکدوں میں اس اولین قبلہ توحید کا مقام بلند واضح اور نمایاں طور پر معلوم ہو سکے! یہ بیت اللہ شریف تمام انسانیت کا قبلہ ہے اور صحیح معنی میں قبلہ ہے! جس طرح اس کے طواف اور شعائر اللہ صفا و مروہ کے درمیان سعی میں توقف و انقطاع نہیں بلکہ یہ عبادت مسلسل جاری و ساری

ہے(۱۴) اسی طرح اس کے تمام انسانیت کا قبلہ ہونے میں بھی توقف و انقطاع نہیں ہے بلکہ چوبیس گھنٹوں کے ہر لمحہ میں مسلسل اور بلا انقطاع روئے زمین کے بے حساب گوشوں میں سے ہر گوشے میں اذان، قیام، رکوع، سجود اور دعا کے سلسلے جاری و ساری ہیں، وقت کا کوئی لمحہ بھی اس سے محروم یا خالی نہیں ہے! اور یہ وہ حقیقت ہے جسے آج کا ہر معاصر انسان دیکھتا، جانتا اور اس پر گواہ بھی ہے یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ فتح مکہ کے دن بیت اللہ کی چھت پر چڑھ کر اذان فتح بلند کرنے اور توحید کے اعلان کے لئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کسی ہاشمی رشتہ دار یا کسی عرب کو نہیں چنا تھا بلکہ اس کے لئے بھی ''بلالی دنیا'' براعظم افریقہ کے نمائندے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرما کر انسانیت کو جہاں یہ پیغام دیا تھا کہ دین اخوت و مساوات میں رنگ و نسل کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ سب کچھ متاعِ غرور کا سودا اور سرمایہ باطل ہے وہاں اس میں یہ پیغام بھی تھا کہ افریقہ کو ہمیشہ غلام اگانے والا کھیت سمجھا گیا اور سب گورے اور مستورے (رنگ و نسل کے غرور میں مبتلا رہنے والوں نے) کالے رنگ کو غلامی، پستی اور کمترین ہستی کی علامت تصور کر لیا ہے اور افریقی انسان کو علم و تمدن میں آج تک کوئی کردار نہیں دیا گیا لیکن ''بلالی دنیا'' کا مخلص، وفادار اور طاقتور افریقی انسان اس کردار کا اہل ہے اور یہ اس کا حق ہے مگر اس کا یہ کردار اب اسلام کے علمبردار کی حیثیت سے ہوگا، بلالی دنیا کا یہی انسان دنیا کو عدل اور امن کی زندگی دینے کے لئے اسلام کا علم بلند کرنے والا ہے جس کی کل کی طرح آج بھی انسانیت کو اشد ضرورت ہے!

بیت اللہ کا ایک رنگ بلکہ رنگین کردار تو وہ مساوات، اخوت، ہمدردی اور جذبۂ ایثار و محبت ہے جو سعی و طواف کرنے والوں کے یکساں لباس، زبان یا یکساں الفاظ اور ایک ہی رخ پر معتدل رفتار میں ہے! لباس، زبان، جہت اور ہدف کی یہ یکسانیت انسانیت کے لئے ایک معروضی سبق ہے بلکہ سب سے پہلے خود مسلمانوں کے لئے یہ

ایک عبرت ہے!(۱۵)

وادئ بطحا کے شہر مکہ مکرمہ کے عجائبات میں سے بیت اللہ کے بعد دوسرا عجوبہ اور سامانِ عبرت آب زمزم ہے! یہ پانی کیا چیز ہے؟ یہ کہاں سے آتا ہے؟ یہ کیسے آتا ہے؟ لاکھوں انسان اس سے پیاس بجھاتے ہیں، اسے بھر بھر کر ساتھ بھی لے جاتے ہیں، دن رات یہ سلسلہ جاری رہتا ہے مگر اس سرچشمے میں انقطاع نہیں ہے! یہ عجب پانی ہے جو پیاس بھی بجھاتا ہے، بھوک بھی مٹاتا ہے، یہ دوا بھی ہے غذا بھی، ہے کہیں کوئی ایسا پانی؟

مگر بیت اللہ بھی مسمار ہو کر ہواؤں میں ریت بن کر اڑتا رہا، مٹی بن کر پانیوں میں بھی بہہ جاتا رہا مگر ہے پھر بھی وہیں۔ نیک ہاتھ اس کی بنیادوں کو بار بار پھر سے اٹھاتے رہے، اسے گرانے، مٹانے اور نابود کرنے کی نیت سے آنے والے خود ہی، گرتے، مٹتے اور نابود ہوتے رہے، یہ وہیں ہے جہاں تھا اور یہیں رہے گا جہاں ہے۔ یہی حال اس چشمے کا رہا ہے، اسے بھی پاٹنے، مٹانے اور ہموار کرنے کی بار بار کوششیں ہوتی رہیں، حتی کہ لوگ اس کا محل وقوع تک بھی بھولتے رہے! پیاس کے مارے زمزم کی آس لئے ادھر ادھر بھٹکتے رہے یہ بار بار غائب کیا گیا مگر دریافت ہوتا رہا! معلوم تاریخ میں سب سے پہلے اسے اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی ایڑی نے دریافت کیا اور آخری بار دوسرے ذبیح اللہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی برکت سے یہ چشمۂ زمزم تقریباً سولہ صدیاں قبل دریافت ہوا تھا اور آج تک اسی طرح رواں دواں ہے، اس سے پیاسے سیراب ہوتے ہیں، بھوکے اپنے پیٹ بھرتے ہیں اور عجب تر یہ کہ لا علاج صحت یاب ہوتے ہیں، اس کی تازہ اور زندہ مثال مراکش کی خاتون (۱۶) ناول نگار لیلی الحِلُوْ ہیں جنہوں نے آب زمزم سے کینسر جیسے موذی اور مہلک مرض کو شکست دے دی ہے اور اس سلسلے میں ان کی کتاب فَلَا تَنْسَ اللّٰہَ (تو پھر تم اللہ تعالیٰ کو مت

بھولنا) پڑھنے کی چیز ہے!!

دراصل بات چل رہی تھی وادئ بطحاء کے قبیلہ قریش کے سلسلہ نسب کی، بلاشبہ درمیان میں یہ ایک جملہ معترضہ حائل ہوگیا یہ جملہ معترضہ تو ہے مگر یہ جملہ مفیدہ بھی ہے کہ ہم نے قریش کی اس وادئ بطحاء کے شہر شہرۂ آفاق مکہ مکرمہ کے عجائبات کی بات سنی اور پڑھی، یہ عجائبات بھی اس سلسلۂ نسب کی لڑی کے قیمتی موتیوں کی جان ہیں، بلکہ اتنے قیمتی موتیوں کی چمک دمک کی ضمانت بھی ہیں! دراصل ان عجائبات اور ان قیمتی موتیوں کا اصل اور گوہر مقصود تو رسول اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں! اللہ رب العزت نے اپنی ذات کو منوانے اور اپنی جان پہچان کروانے کے لئے اپنی مخلوق کو پیدا کیا، وہ مانا بھی گیا، اس کی جان پہچان بھی ہوگئی مگر بات پھر بھی کماحقہ نہ بنی! چونکہ انسان اسے مانتے رہے پھر منکر بھی ہوگئے، جانتے رہے پہچانتے رہے مگر بھولتے بھی رہے (۱۷)! اب کوئی تو ایسا ہوتا جو پکی جان پہچان کرواتا، ایسی جان پہچان جو ذہنوں میں بیٹھ جائے اور دلوں میں اتر کر ذہنوں پر چھا جائے! اللہ کی ذات اس طرح جانی جائے پہچانی جائے کہ بھولنا ممکن ہی نہ رہے! لوگ خدائی کے دعوے کرتے رہے تھے کہ وہ خدا سے آگاہ نہ تھے، وہ خدائی کو بھی ایک کھیل ہی سمجھتے تھے! تب اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ مطلقہ کا کرشمہ دکھایا اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرمایا اور دنیائے انسانیت پر یہ احسان کیا اور فرمایا کہ اب وہ تمہیں میری پہچان کروائے گا! اسی لئے تو اب خدا اور اس کی خدائی کی صحیح پہچان کے بعد خدائی کا دعوی کرتے ہوئے انسان صرف ڈرتے ہی نہیں شرماتے بھی ہیں! قریش کے درِ یتیم اور رسول اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال یہی ہے کہ نہ صرف یہ کہ انہوں نے، اللہ جل جلالہ کی پہچان کروائی، اس کی توحید کا ڈنکا بجوایا بلکہ لوگوں کو نبوت و رسالت کی حقیقت سے بھی آگاہ فرمایا، تمام نبیوں اور رسولوں کی تصدیق اور انہیں دنیائے انسانیت سے منوانے کے ساتھ

ساتھ وحدت نسل انسانی، برادری اور برابری کا بھی اعتراف کروا کر آدمی کا بھی بول بالا کر دیا! نسب قریش کی اس پاک لڑی کا سچا اور سُچا موتی اور گوہر مقصود یہی ذات با برکات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہے! (۱۸)

چونکہ ہم نے اس لڑی کے بعض نمایاں موتیوں کی بات شروع کر رکھی ہے اور ہم قُصَیّ بن کلاب (جن کا اصل نام زید بن کلاب ہے) کی بات کر رہے تھے، اس لئے اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے تکمیل کی طرف لے جاتے ہیں، جیسا کہ آپ نے دیکھا اور ابن سعد (۱۹) نے ذکر کیا ہے کہ کلاب بن مرہ کی فاطمہ بنت سعد سے شادی ہوئی جس سے زھرہ پیدا ہوا، پھر کافی مدت بعد زید پیدا ہوا تو کلاب بن مرہ فوت ہو گیا، قضاعہ کی ایک شاخ بنو عذرہ کا ربیعہ بن حرام مکہ مکرمہ میں آیا تو وہی فاطمہ بنت سعد اس کے نکاح میں آ گئی زھرہ تو چونکہ جوان ہو چکا تھا اس لئے صرف چھوٹا زید ماں کی گود میں تھا جو ساتھ چلا گیا، زید نے چونکہ اہل مکہ سے دور بلاد بنی قضاعہ میں پرورش پائی تھی اس لئے قریش کے لوگ اسے زید قصی (دور والا زید) کہتے تھے، جو بعد میں صرف قُصَیّ رہ گیا، قصی جب جوان ہوا تو بنو قضاعہ کے ایک نوجوان سے کشتی لڑی اور اسے پچھاڑ دیا، قضاعی نوجوان نے کھسیانہ ہو کر قصی کو عار دلائی اور دَعِیّ (پچھ لگو) ہونے کا طعنہ دیا اور کہا کہ جا اپنی ماں سے اپنی اصل اور نسب پوچھ کیونکہ تو ہم بنو قضاعہ میں سے تو ہے ہی نہیں (۲۰)!

قصی کو ماں نے تسلی اور بشارت کے انداز میں بتایا کہ تیری اصل نسل اور حسب و نسب ان سے بہتر و برتر ہے! عرب کا بہترین قبیلہ قریش تیری اصل ہے، سردار قریش کلاب بن مرہ تیرا والد ہے اور تو خاک پاک وادیٔ بطحا کے شہر مکہ مکرمہ سے ہے!!

ماں کے ان الفاظ نے قصی کی تو دنیا ہی بدل کر رکھ دی، وہ جذب و شوق میں بے قابو ہو گیا، وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد جا کر شہر مکہ مکرمہ اور وادیٔ بطحا کے قبیلہ قریش کی

تقدیر ہی بدل دے اور اپنے خاندان قریش کو عزت و عظمت کی بلندیوں پر لے جائے، اس لئے اس نے اپنی ماں سے اسی وقت سفر کی اجازت مانگی مگر عقل و تدبیر کی مالکہ ماں نے رستہ کے خطرات کا اندازہ کرتے ہوئے اپنے پرجوش و پرعزم بیٹے کو مشورہ دیا کہ جلد ہی بنو قضاعہ کے لوگ حج کے لئے روانہ ہونے والے ہیں تو اگر ان کی معیت میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوگا تو تیری ایک شان ہوگی! چنانچہ دانا قصی نے اپنی مدبرہ ماں کی نصیحت پر عمل کیا تو مکہ مکرمہ میں داخلہ کے وقت ایک دھوم مچی تھی! ہر ایک کی زبان پر تھا کہ قریش کا سردار بن سردار قصی بنو قضاعہ کے بہادروں کی معیت میں آ گیا ہے، اس کا بڑا بھائی زہرہ بن کلاب اگرچہ بینائی سے محروم بوڑھا ہو چکا تھا مگر دور سے ہی اپنے ماں جائے کی خوشبو سونگھ کر اس کی طرف لپک پڑا تھا (۲۲)!

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا، نے جب بے آب و گیاہ وادیٔ بطحاء کو رونق بخشی اور جبریل علیہ السلام کے پاؤں کی ٹھوکر اور پیاسے ذبیح اللہ علیہ السلام کی زمین پر رگڑی جانے والی ایڑیوں کے صدقے میں آب زمزم کو وجود عطا ہوا تو قبیلہ جرہم کے کچھ پیاسے لوگ پانی پر آئے، ماں بیٹے سے ان کا پڑوسی بننے کی اجازت پانے کے بعد وہ بھی مکہ مکرمہ میں آ کر آباد ہو گئے اور نوجوان اسماعیل علیہ السلام کو اپنی بیٹی کا رشتہ بھی دے دیا، بنو جرہم کے لوگ صدیوں مکہ کے شہری رہے مگر جب ان کا مقدر بگڑنے کا وقت آیا تو انہوں نے شہر میں فساد مچا دیا، ایک اور عرب قبیلہ بنو خزاعہ سے ان کا تصادم ہوا جس کے نتیجے میں بیت اللہ ویران اور آب زمزم کے آثار بھی مٹ گئے تھے! جب قصی واپس آیا تو اس وقت کعبہ کا نگران حُلَیل بن حُبشیہ خزاعی تھا جو ضعیف العمر تھا، قصی کے بارے میں ابن سعد کا کہنا ہے کہ كَانَ رَجُلاً جَلْداً نَهْداً نَسِيْبًا (وہ ایک سخت کوش بہادر، بلند ہمت اور اصول پسند خاندانی آدمی تھا)، وہ چاہتا تھا کہ جرہم اور خزاعہ کی باقیات قریشی عربوں کے لئے مکہ

خالی کر دیں اور مکہ کے قرب و جوار میں جا کر آباد ہو جائیں، اسی لئے قصی نے حلیل خزاعی مذکور سے اس کی بیٹی حُبّی کا رشتہ مانگ لیا تاکہ کعبہ کی تولیّت پر امن طور پر قصی کے پاس آ جائے کیونکہ بڑھاپے کے باعث حلیل نے تمام کام اپنے بیٹے محترش ابوغبشان کو سونپ رکھے تھے جو احمق ہونے کے ساتھ ساتھ لاابالی اور آوارہ بھی تھا، ابوغبشان نے ایک مشکیزہ شراب کے عوض بیت اللہ کی تولیت اپنے پیارے بہنوئی قصی بن کلاب کو بخش دی، جس کے پاس بیت اللہ کی تولیت ہوتی تھی وہی سردارِ مکہ بلکہ شاہِ مکہ سمجھا جاتا تھا، یوں وادیٔ بطحاء کا انتظام و انصرام مکمل طور پر قصی کے ہاتھ میں آ گیا اور اس کے لئے مکہ واہل مکہ کے متعلق اپنے تصورات اور منصوبوں کو عملی شکل دینے کا رستہ ہموار ہو گیا! چنانچہ قصی نے تمام قبائل قریش کو نہ صرف متحد کیا بلکہ سب کو اپنی مٹھی میں لے لیا! اسی لئے فہر بن مالک کی طرح قصی بن کلاب کو بھی قریش کو متحد اور جمع کرنے والا کہا گیا ہے، اس نے دارالندوہ کے نام سے ایک پنچائت گھر یا کونسل ہال بھی تعمیر کیا اور مکہ مکرمہ کو ایک شہری مملکت یا سول حکومت دی جس سے عرب اور اہل مکہ پہلے قطعی ناآشنا تھے۔

قصی کا بیٹا عبد مناف (اصل نام مغیرہ تھا) اس سلسلۂ نسب یا اس سنہری لڑی میں اپنا کوئی خاص کردار تو نہیں رکھتا تھا لیکن وہ ایسے بیٹوں کا باپ تھا جن کے گرد قریش کی تمام تاریخ گھومتی ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ قریش مکہ کی تاریخ بنانے والے اسی عبد مناف کے یہی بیٹے تھے: (۱) المطلب (۲) عبد شمس (۳) ہاشم (۴) نوفل، جس کے بیٹے مطعم نے طائف سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ضمانت اور جوار میں لیا تھا! امیہ الاکبر یعنی سب سے بڑا امیہ جو بنوامیہ کا جد اعلیٰ بھی تھا، عبد شمس کا بیٹا اور ہاشم نوفل اور المطلب کا سگا بھتیجا تھا۔ ہاشم جن کا اصل نام عَمرو ہے، حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے دادا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد بھی ہیں اور العباس بن عبدالمطلب

کی اولاد خلفاء بنو عباس کے جد اعلیٰ بھی ہاشم ہی تھے!

حضرت ہاشم کے بڑے جڑواں بھائی عبد شمس جلد فوت ہو گئے مگر وہ جس قدر مہربان اور رحمدل تھے ان کا بیٹا امیہ الاکبر اتنا ہی تند خو، ضدی اور اکھڑ تھا، باپ اپنے چھوٹے بھائی پر جس قدر مہربان و شفیق تھا، ان کا بیٹا اس سے کہیں زیادہ اپنے چچا ہاشم سے بدتمیزی، بے ادبی اور درشت خوئی سے پیش آتا تھا، لیکن حضرت ہاشم اس کا برا نہ مناتے تھے بلکہ اپنے مرے ہوئے بھائی کی خاطر ہمیشہ اس سے درگذر کرتے تھے، حضرت ہاشم اپنے دادا قصی بن کلاب بن مرہ کی طرح بلند خیال، پرعزم، سرگرم اور شفیق و کریم تھے، بقول ابن سعد (۲۳): كَانَ اَوَّلُ مَنْ سَنَّ الرِّحْلَتَيْنِ لِقُرَيْشٍ یعنی ہاشم سب سے پہلے قریشی ہیں جنہوں نے اپنے قبیلہ قریش کے لوگوں کے لئے دو تجارتی سفروں کو تقلیدی نمونہ بنا دیا تھا" ان میں سے ایک تجارتی سفر سردیوں کا تھا جو یمن اور ساتھ ہی حبشہ کے لئے ہوتا تھا، دوسرا تجارتی سفر شام کا تھا جو موسم گرما میں ہوتا تھا، اسی سفر میں وہ کبھی کبھی فلسطین کے شہر غزہ، بیت المقدس اور رومی دارالحکومت انقرہ کی طرف بھی نکل جاتے تھے جہاں قیصر ان کی عزت افزائی کرتا اور وہاں کے لوگ ان سے بہت پیار کرتے تھے۔

ایک مرتبہ شام کا گرمائی سفر بہت طول پکڑ گیا، ہاشم کا مال تجارت غزہ سے دمشق اور دمشق سے بیت المقدس تک آتا اور جاتا رہا، جب تیسرا سال شروع ہوا تو ہاشم نے اپنے تجارتی قافلے کو سامان لادنے کا حکم دیا، جب واپسی کے لئے لوگ سامان لاد چکے تو کسی نے ہاشم کو آ کر بتایا کہ مکہ مکرمہ تو تین سال سے شدید قحط کی زد میں ہے، درختوں کے پتے اور مویشیوں کی ہڈیاں بھی لوگوں نے کھالی ہیں اور وہ اب بھوک سے مر رہے ہیں، ہاشم نے تمام مال اتار کر فروخت کروایا اور اس کی جگہ دمشق میں جہاں جہاں سے پکی ہوئی روٹی ملی وہ خرید لی اور پھر آٹا دانا لاد کر تیزی کے ساتھ مکہ

پہنچے، جو روٹیاں وہ ساتھ لائے تھے وہ لوگوں میں بانٹ دیں، پھر حکم دیا کہ قافلے والے اونٹ ضرورت کے مطابق روزانہ ذبح کئے جائیں اور آٹے دانے سے روٹیاں تیار کر کے لوگوں کو ثرید (یہ حلیم کی طرح کا مرغن سالن چوری کی طرح تیار ہوتا ہے، آج بھی عربوں کا سب سے زیادہ مرغوب کھانا بھی ہے) کھلایا جائے، اسی میں ایک دو ماہ گذر گئے مگر ہاشم کی سخاوت اور ضیافت میں کوئی فرق نہ آیا! بارشیں شروع ہو گئیں اور قحط رخصت ہو گیا! ہر طرف ہاشم کا نام تھا اور ہر زبان اس کے لئے سراپا شکر تھی، ہاشم کا اصل نام تو عمرو العلیٰ تھا مگر اب لوگ انہیں عمرو ہاشم اور عمرو ثرید یا چوری کھلانے والا کہنے لگے تھے، قریش کے شعراء نے ثرید کھلانے والے کے قصیدے کہنا شروع کر دیئے ان میں عبداللہ بن زبعری بھی تھا، اس کا یہ شعر تو ضرب المثل بن چکا ہے (۲۴):

عَمْرُو الْعُلٰی هَشَمَ الثَّرِيْدَ لِقَوْمِهٖ وَرِجَالُ مَكَّةَ مُسْنِتُوْنَ عِجَافٌ

یعنی بلندیوں والا عمر و تو وہ ہے جس نے اپنی قوم کے لئے ایسے میں ثرید تیار کروایا جب قحط سالی کے باعث مکہ کے لوگ بھوک سے نڈھال ڈھانچے بن چکے تھے!

یہاں اس شعر میں ''ھَشَمَ'' کا جو لفظ آیا ہے اس کے معنی ہیں چوری بنانا، توڑی کی طرح کوئی چیز باریک کرنا، اسی ھَشَمَ سے فاعل کا صیغہ ہاشم بنا ہے یعنی چوری یا ثرید تیار کرنے والا، چوری والا یا ثرید والا، مکہ مکرمہ کے ہر فرد کی زبان پر عام ہو گیا وہ جہاں سے گذرتے یا ان کا ذکر ہوتا تو انہیں ہاشم یعنی ثرید والا، چوری والا کہا جاتا تھا اور یہ بطور تعریف اور اظہارِ تشکر تھا! اس لقب اور اس تعریف سے حضرت ہاشم کے بدخواہ جل اٹھے اور ان پر حسد کرنے لگے، ان میں سرِ فہرست ان کا اپنا بھتیجا امیہ الاکبر تھا جو ہاشم کے بڑے بھائی عبد شمس بن عبد مناف کا بیٹا تھا!

ایک دن امیہ نے ہاشم سے کہا: ''چچا! جو تعریف آپ کی ہو رہی ہے اس کا حقیقی وارث اور حقدار تو میرا باپ ہے''۔

ہاشم نے کہا: ''بھتیجے! تو ٹھیک ہی کہتا ہے! دراصل اس ستائش کا اصل حقدار تو میرا شفیق اور مہربان بھائی اور تیرا باپ عبدشمس ہی ہے! میں آج جو کچھ بھی ہوں یہ میرے بھائی کی تربیت اور مہربانی کا نتیجہ ہے''۔

''لیکن اس تعریف کا مستحق تو میں بھی ہوں! آپ تو یونہی اتراتے پھرتے ہیں! میری خوبیاں آپ کی خوبیوں سے بڑھ کر ہیں! یقین نہ آئے تو میرے ساتھ ''منافرت'' (یعنی خوبیوں اور عیوب کا موازنہ کروانا، منصفانہ رائے لینا!) کر لیجئے۔

بھتیجے کی ضد تھی کہ منافرت ہو اور کسی کو منصف بنایا جائے، منافرت میں ہر آدمی نے اپنی خوبیاں اور مدمقابل کے عیب بتانا ہوتے ہیں، اس میں ہارنے والے نے جرمانہ بھی دینا ہوتا ہے! اس منافرت میں منصف نے فیصلہ ہاشم کے حق میں دیا، جرمانہ میں پچاس اونٹ اور دس سال کی جلاوطنی شرط ٹھہری تھی! امیہ الاکبر نے اپنے چچا ہاشم کو جرمانے کے اونٹ بھی دیئے اور دس سال کے لئے مکہ سے جلاوطن ہو کر دمشق جا پہنچا مگر اس وقت اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آگے چل کر یہی دمشق اس کی اولاد - خلفائے بنو امیہ - کا دارالخلافہ بننے والا ہے اور وہ سو سال تک وقت کی سب سے بڑی اسلامی مملکت - براعظم ایشیا، افریقہ اور یورپ تک پھیلی ہوئی خلافتِ اموی، کے مطلق العنان حکمران ہوں گے! یہاں سے بنو ہاشم اور بنو امیہ کی عداوت شروع ہوتی ہے پھر حضرت عبدالمطلب اور ابوسفیان کے والد حرب بن امیہ کے درمیان بھی ایسی ہی منافرت ہوئی اس میں بھی بنو ہاشم کے سردار عبدالمطلب جیت گئے اور ابوسفیان کے والد ہار گئے، یوں تلخی اور بڑھ گئی! اس عداوت اور تلخی کا عروج یزید تھا جس نے مدینہ پر چڑھائی کروائی اور بڑے بڑے صحابہ کرام شہید کروائے، مکہ مکرمہ پر بھی یہی کچھ دوہرانا چاہتا تھا مگر ناکام ہوا، حضرت عبداللہ بن زبیر نے بیت اللہ میں پناہ لے رکھی تھی، ان پر بنو امیہ نے ہی گولے برسا کر بیت اللہ کی بے حرمتی کروائی تھی

اور پھر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے کنبے کی شہادت پر یزید نے کہا تھا کہ آج بنو امیہ نے بنو ہاشم سے اپنا انتقام لے لیا ہے! مگر حسین تو شہید ہو کر امر ہو گئے اور یزید ذلت کی موت مر کر مٹ گیا:

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

حضرت ہاشم کا ناقابل فراموش اور آخری سفر تجارت بھی بہت دلچسپ اور عبرت آموز ہے، ان کا یہ تجارتی قافلہ شام جاتے ہوئے یثرب میں رکا، وہاں ایک میلہ لگا ہوا تھا جس میں ایک دکان کی مالکہ ایک خاتون تھی! یہ بنونجار کی ایک بیوہ خاتون دو یتیم بیٹوں کی ماں سُلمٰی بنت عمرو تھیں جو بڑے بڑے رشتے اور شادی کے پیغام ٹھکرا چکی تھیں، حضرت ہاشم کو اچھی لگیں مگر ادھر سے صاف انکار تھا تاہم حضرت ہاشم کی خاندانی وجاہت، پرکشش شخصیت کے علاوہ ان کا شدید اصرار کام کر گیا، سلمٰی مان گئیں، نکاح کے بعد رواج کے مطابق چند دن حضرت ہاشم نے اپنی دلہن کے ساتھ گذارے پھر شام سے ہوتے ہوئے فلسطین کے شہر غزہ میں پہنچ کر اللہ کو پیارے ہو گئے! اس عظیم خاتون کے ذمہ دو یتیم بچوں کی پرورش پہلے تھی اب چند ماہ بعد قریش کا ایک یتیم بچہ بھی دنیا میں آ گیا! یہی بچہ عمرو العلیٰ ہاشم کا فرزند شیبۃ الحمد عبدالمطلب تھا!

حضرت عبدالمطلب کا اصل نام شیبہ اور شیبۃ الحمد ہے، جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کی پیشانی کے کچھ بال سفید تھے اس لئے شیبہ (بوڑھا یا بڑھاپے والا) نام پڑ گیا، آپ کی والدہ ماجدہ کا نام سُلمٰی تھا جو یثرب (مدینہ منورہ) کے قبیلہ بنو عدی بن نجار سے تھیں، شیبہ یتیم پیدا ہوئے اور ماں کے پاس ہی جوان ہوئے، بڑے دلیر، طاقتور، اور عقلمند تھے، یثرب کے نوجوانوں کو جب ہرا دیتے تو انہیں بتاتے تھے کہ میں عمرو العلیٰ قُرشی کا بیٹا ہوں، آپ کے چچا المطلب بن عبد مناف جب انہیں مکہ مکرمہ لانے کے لئے یثرب گئے تو ان کی بھابھی سلمٰی نے اپنے بہادر بیٹے کو اپنے

آپ سے جدا کرنے سے انکار کر دیا مگر جب آپ کے چچا المطلب نے سلمٰی سے کہا کہ بھابھی! میں نہیں چاہتا کہ میرا یہ ہونہار بھتیجا اس عزت اور مقام سے محروم رہے جو اس کے لئے مکہ مکرمہ میں اپنے قبیلے میں اس کا منتظر ہے تو وہ بادل ناخواستہ مان گئیں،

المطلب جب انہیں اپنے پیچھے اپنے اونٹ پر بٹھائے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے یہی سمجھا کہ وہ المطلب کے غلام ہیں اور یوں آپ کا نام شیبہ کی بجائے عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام پڑ گیا، اپنے مہربان چچا سے یہ نسبت انہیں بھی بہت پسند آئی اور وہ اسی نام سے ہی مشہور ہو گئے۔

حضرت عبدالمطلب پہلے اپنے چچا المطلب کے جانشین بن گئے تو اپنے والد کی سیاسی، معاشرتی اور تجارتی ذمہ داریاں بھی سنبھال لیں، گرمیوں میں شام کے تجارتی سفر اور سردیوں میں یمن کے تجارتی سفر کے علاوہ آپ نے حبشہ سے قریش کی تجارت کو بھی آگے بڑھایا، قریش مکہ نے حِجَابَہ (بیت اللہ کی ذمہ داری، دربانی اور کنجی برداری)، سِقَایَہ (حُجاج بیت اللہ کو پانی پلانا) اور رِفَادَہ (حُجاج بیت اللہ کی ضیافت کرنا، کھانا کھلانا) اور سِفَارَہ (باہر کے ملکوں، قوموں اور قبائل سے تعلقات دوستی وغیرہ) حضرت ہاشم (عمرو العلی) کو سونپ رکھے تھے، اب یہ تمام کام حضرت عبدالمطلب کے سپرد ہو گئے، قریش کے تجارتی قافلوں کی قیادت اس کے علاوہ تھی (۲۵)۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے دادا عبد مناف (جن کا اصل نام مغیرہ ہے) کے تین یا چار بیٹے تھے جن میں المطلب سب سے بڑے تھے، المطلب کے چھوٹے بھائی عبدِ شمس اور ہاشم (عمرو یا عَمرُوُ العُلیٰ) بھی تھے یہ دونوں بھائی جڑواں پیدا ہوئے تھے، عبدِ شمس دنیا میں پہلے آئے اور ہاشم نے چند لمحات بعد یہ دنیا دیکھی تھی، دونوں جڑواں بھائی بڑے خوش اخلاق اور ملنسار تھے، اور ایک دوسرے سے بے حد پیار کرتے تھے، عبد شمس اپنے چھوٹے بھائی ہاشم سے بڑی شفقت اور

مہربانی سے پیش آتے تھے، ہاشم بھی اپنے بڑے بھائی سے بڑی محبت، ادب اور احترام سے پیش آتے تھے، المطلب چونکہ بڑے تھے اور دونوں چھوٹے بھائیوں سے بڑی شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرتے تھے اس لئے اپنے باپ کا کاروبار بھی انہوں نے ہی سنبھالا ہوا تھا، تاہم ہاشم چھوٹے ہونے کے باوجود ایک پر جوش، سرگرم، ہنرمند، دیانتدار اور پرعزم وباشعور تاجر ثابت ہوئے، اس لئے قریش کے تجارتی کاروان یمن وشام اور حبشہ کا سفر ان کی قیادت میں کرنے پر خوش اور مطمئن ہوتے تھے، یہ بات بڑے بھائی المطلب کے لئے بھی بڑے سکون اور اطمینان کا باعث تھی، مگر چھوٹے بھائی ہاشم کی وفات کے بعد ایک بار پھر انہیں۔ المطلب کو۔ قریش کی تجارت کی ذمہ داری اٹھانا پڑ گئی، نجاشی شاہ حبشہ سے قریش کی طرف سے تجارتی معاہدہ بھی المطلب ہی نے کیا تھا، ابن سعد (۲۳) کے الفاظ میں ''كَانَ شَرِيفًا فِی قَوْمِهِ وَمُطَاعًا سَيِّدًا'' (المطلب اپنی قوم میں ایسے شریف سردار تھے جن کا حکم مانا جاتا تھا)، المطلب تجارت کے لئے یمن گئے تو وہیں یمن کے شہر رَدْمان میں وفات پا گئے، اس لئے اب پھر یہ تمام ذمہ داری حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کے کندھوں پر آن پڑی جسے انہوں نے بڑے حسن وخوبی کے ساتھ نبھایا اور اپنے مہربان چچا المطلب۔ اور اپنے والد ہاشم۔ کے بھی بہترین جانشین ثابت ہوئے (ان کے والد ہاشم پہلے ہی وفات پا چکے تھے (۲۶)۔

قریش کی تجارتی، معاشرتی اور سیاسی قیادت کے دوران میں حضرت عبدالمطلب کو ایک مشہور تاریخی بلکہ تاریخ ساز فوجی مہم کا بھی سامنا کرنا پڑا تھا جسے انہوں نے بڑی حکمت اور دانائی کے ساتھ نبھایا، اور یہ فوجی مہم تھی ابرہہ حبشی کا مکہ مکرمہ پر حملہ! حبشہ کے نجاشیوں کے نائبِ سلطنت، ابرہہ الاشرم نے جب یمن پر عیسائیت کا علم لہرا دیا تو یمن کے ساتھ حجاز کو بھی وہ شامل کرنا چاہتا تھا تاکہ تمام

بلاد عرب عیسائیت کے دائرے میں آجائیں، ابرہہ نے یمن کے دارالحکومت صَنْعاء میں قلّس (کلیسا) کے نام سے عبادت کے لئے ایک خوبصورت عمارت بنائی تاکہ حجازی عربوں سمیت سب عرب بیت اللہ کے بجائے اسے اپنی عبادت گاہ اور مذہبی مرکز بنالیں، تاہم یہ تو نہ ہو سکا مگر کسی عرب نے قلس کے ساتھ شرارت کر دی جس سے ابرہہ آگ بگولا ہو گیا اور مکہ پر چڑھائی کر دی اس کی فوج میں چونکہ ہاتھی بھی تھے اس لئے اس لشکر کو عرب اصحاب الفیل (یعنی ہاتھی والے) کہتے تھے، مگر یہ فوجی مہم بری طرح ناکام ہوئی اور ابرہہ مکہ سے چند میل کے فاصلے پر اپنے لشکر سمیت نابود ہو گیا، اس موقع پر حضرت عبدالمطلب کا کردار سبق آموز بھی تھا اور ایمان افروز بھی! ابرہہ نے حضرت عبدالمطلب کے اونٹ پکڑ لئے تھے، حضرت عبدالمطلب کو معلوم تھا کہ اس مہم کے مقابلہ کے لئے ان کے پاس فوجی ساز و سامان نہیں ہے اس لئے لوگوں سے یہی کہا کہ پر امن رہو اور ایک طرف ہو جاؤ، خود اپنے اونٹ چھڑوانے کے لئے گئے تو ابرہہ نے حیرت سے پوچھا: آپ اونٹ لینے تو آگئے ہیں مگر آپ کو بیت اللہ کی فکر نہیں؟! تو انہوں نے ایک ایمان افروز جملہ کہا جس نے ابرہہ کے غرور کو پانی پانی کر دیا! فرمایا! اِنَّ لِلْبَیْتِ رَبًّا یَحْمِیْہِ (بیت اللہ کا ایک مالک ہے اور وہی اس کا دفاع کرے گا) بس تو ہمارے اونٹ واپس کر دے (۲۷)۔

حضرت عبدالمطلب نے اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے ایک ضابطہ اخلاق بھی پسند فرمایا تھا جس میں شرک و بت پرستی سے اجتناب، بدکاری اور آدم آزاری سے پرہیز اور خلق خدا کی خیر خواہی بھی شامل تھی، وہ دین اسماعیل و ابراہیم علیہما السلام کو پسند کرنے والے حنفا میں شمار ہوتے تھے، انہیں یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان نے نبی منتظر کی جو علامات بتائی تھیں ان میں سے اکثر انہیں اپنے

پوتے۔ رسول اولین وآخرین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دکھائی دیں اور ان پر ان کا ایمان تھا! انہیں اپنے پوتے کے بارے میں یہ بھی فکر تھی کہ یہودی انہیں گزند پہنچانے کے درپے ہوں گے اسی لئے وہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو ہوشیار رہنے اور ان پر کڑی نظر رکھنے کی تلقین فرماتے رہتے تھے، ابن سعد نے ان کی جو لفظی تصویر دی ہے وہ جامع بھی ہے اور خوبصورت بھی (۲۸):

”وَكَانَ عبد المطلب احسن قريش وجها وأمده جسما و أحلمه حلما و أجوده كفا و أبعد الناس من كل موبقة تفسد الرجال ولم يره ملك قط إلا أكرمه و شفعه یعنی عبدالمطلب قریش میں سب سے حسین تھے، سب سے لمبا قد تھا، سب سے زیادہ بردبار تھے، سب سے زیادہ سخی تھے جو برا کام انسانوں کو بگاڑ دیتا ہے اس سے وہ سب سے زیادہ دور رہنے والے تھے، جب کبھی بھی انہیں کسی بادشاہ نے دیکھا ان کی عزت کی اور ان سے دعا کی درخواست کی!“

حضرت عبدالمطلب، رحمه الله رحمة واسعة صنادید وسرداران قریش کے گل سر سبد ہیں اس لئے ان کا ضمنی ترجمہ ناکافی بلکہ ان کے ساتھ ناانصافی ہوگی، ان کے لئے اگر ایک مستقل کتاب نہیں تو اس کتاب میں ایک مستقل فصل تو ان کی عظیم شخصیت کے لئے معمولی سا خراج تحسین ہوگا!

قریش کا مردِ عزم و یقین عبدالمطلب

حضرت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف، (۱) سلام اللہ علیہ، تاریخ اسلامی کے ان عظماء میں سے ہیں جنہیں اہل علم وقلم نے وہ اہمیت نہیں دی جس کے وہ حقدار ہیں، یہ بات بھی ماننے کی ہے کہ ایک سردار قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کے جد امجد کی حیثیت سے مؤرخین نے انہیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے، مگر یہ بہت کم لوگوں کی دست رس میں ہے، لیکن وہ ایک ایسی کثیر الجہات شخصیت کے مالک ہیں جس کی ہر جہت اور ہر پہلو حسن و جمال اور عظمت و کمال کا حامل اور سبق و عبرت کے ساتھ ساتھ قابل تقلید نمونہ بھی ہے!

ان کی والدہ ماجدہ سُلمیٰ بنتِ عمرو بن زید انصارِ مدینہ کے معروف اور محترم قبیلہ بنو عدی بن نجار سے تھیں، بڑی حوصلہ مند، بہادر اور ہنر مند خاتون تھیں، انہیں زندگی میں دو مرتبہ بیوگی دیکھنا پڑی اور دو شوہروں کے تین یتیم بیٹے پالنا اور سنبھالنا پڑے مگر انہوں نے اس وقت کے ماحول میں ان بچوں کی ایسی تربیت کی کہ وہ حسن اخلاق، خودداری اور حوصلہ مندی میں باکمال و بے مثال بن کر نکلے! ان کے دوسرے شوہر عمرو العُلیٰ ہاشم نے تو شام و فلسطین میں تجارت کے لئے جاتے ہوئے انہیں شادی پر آمادہ کرنے کے لئے بڑے جتن کئے تھے اور شادی کے بعد ان کے ساتھ چار پانچ دن ہی یثرب میں گذار پائے اور پھر خدا حافظ کہہ کر چلے گئے، مگر اسی سفر تجارت کے دوران میں ہی وہ غزہ شہر میں جا کر وفات پا گئے، یوں سلمی نے عامر بن عمرو العلی (شیبہ اور عبدالمطلب!) کو یتیم جنا تھا مگر سلیقہ شعار اور حوصلہ مند ماں نے تربیت سے اپنے

اس لخت جگر کو ہاشم بن عبد مناف کا ''قریشی بچہ'' بنا دیا تھا جو اپنے اخلاق اور جرأت مندی میں یثرب کے جوانوں پر ہر ستودہ کام میں فوقیت حاصل کر گیا اور بات بات پر فخر سے سب کو بتاتا تھا کہ میں عمرو العلی قریشی کا بیٹا اور بنونجار کا نواسا ہوں!

اور یہ بنونجار یثرب یا مدینہ منورہ کے وہ وضع دار لوگ تھے جو حقیقت میں ننھیال اور اخوال تو صرف حضرت عبدالمطلب ہی کے تھے مگر مکہ سے یثرب جانے والا ہر ہاشمی یہی جانتا اور لوگوں کو بتاتا تھا کہ میں تو اپنے ننھیال بنونجار کا مہمان بن کر جا رہا ہوں، حتیٰ کہ حضرت عبدالمطلب کے پوتے حضرت محمد بن عبداللہ، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھ سال کی عمر میں جب اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ یثرب کا سفر کیا تو وہ بھی یہی فرماتے تھے کہ میں اپنے ننھیال جا رہا ہوں یا کہا گیا کہ والدہ انہیں اپنی ننھیال سے ملانے کے لئے لے کر گئیں!

مگر یہ تو بات تھی جذبوں کی! تاریخی حقیقت تو یہ نہیں تھی! مؤرخ کا فرض یہ تھا کہ وہ جذبوں کا بھی احساس دلائے لیکن ساتھ ہی حقیقت بھی ریکارڈ کرے! (اور ہمارے سیرت نگار بھی مکھی پر مکھی مارتے چلے آرہے ہیں کہ چھ سال کی عمر میں والدہ انہیں یثرب میں ننھیال سے ملانے لے گئیں!؟ حالانکہ حضرت آمنہ، سلام اللہ علیہا، تو قریش کے مکی قبیلہ بنوزہرہ سے تھیں اور وہ یثرب میں اپنے شوہر حضرت عبداللہ کی قبر کی زیارت کے لئے ہر سال جاتی تھیں جو بنونجار کے سردار نابغہ کی حویلی میں دفن تھے)۔

المطلب بن عبد مناف، ہاشم کے بڑے بھائی تھے، شاعر نبوت حضرت حسان کے والد ثابت بن منذر المطلب کے گہرے دوست تھے، ثابت زیارت بیت اللہ کے لئے گئے تو اپنے دوست کو بتایا کہ یار تیرا بھتیجا بڑا بلند اخلاق اور دلیر جوان نکلا ہے مگر تو نے تو اس کی کبھی خبر تک ہی نہیں لی! وہ تو اپنے ساتھیوں پر جب غالب آتا ہے تو کہتا ہے کہ میں عمرو العلی قریشی کا بیٹا ہوں! تب المطلب نے کہا تھا: یار ثابت میں اپنے

بھتیجے کو لانے کے لئے ابھی تیرے ساتھ چلتا ہوں! مگر بھابھی سلمیٰ کو کیسے راضی کروں گا؟ خیر تو مدد کرے گا نا؟! ثابت نے کہا کہ ہم دونوں سلمیٰ بہن کو منالیں گے! مگر بھابھی نے دیور کو ٹکا سا جواب دے دیا! تاہم جب المطلب نے یہ کہا کہ بھابھی! مکہ میں اس کی عزت، عظمت اور قوم انتظار میں ہے آپ مستقبل کے اس ہونہار قائد کو اس کے کردار سے محروم نہ کیجئے تو وہ مان گئی تھیں! (۲)

یہ تو ہے ایک جھلک مردِ عزم و یقین کے بچپن کی! شیبۃ الحمد نے اپنے چچا سے پہلی ملاقات میں جو خلوص اور محبت (۳) محسوس کی تھی اس نے بھتیجے کو اپنے چچا کا گرویدہ بنالیا تھا، جب وہ یثرب سے چلتے وقت اونٹ پر اپنے چچا کا ردیف ہوا تھا تو وہ شیبہ، شیبۃ الحمد یا عامر تھا مگر مکہ مکرمہ میں جب اسی اونٹ سے اترا تھا تو وہ بدل کر عبدالمطلب یعنی المطلب کا غلام قرار پا چکا تھا!۔ نوجوان شیبہ کو چچا کے خلوص اور پیار نے ایسا گرویدہ بنایا کہ وہ اپنے اصل نام کو تو بھول ہی گیا اور یہ غلط العوام نام عبدالمطلب ایسا پسند آیا کہ اسے اپناتے ہی بنی! وہ ایسا جچ پال نکلا کہ عمر بھر اپنے چچا کا غلام کہلانے میں فخر محسوس کرتا تھا مگر اس وقت یہ کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ یہی نام اس کی عظمت و شہرت کا اشتہار بننے والا ہے! مگر تقدیر خداوندی کہہ رہی تھی کہ عبدالمطلب اب قریش کا لیڈر اور مردِ عزم و یقین کہلائے گا!

حضرت عبدالمطلب بڑے زیرک، باریک بین بلکہ دوررس قائدانہ نظر رکھنے والے نوجوان تھے، انہوں نے مکہ مکرمہ کے معاشرتی اور سیاسی ماحول کو غور سے دیکھا اور سمجھا، صنادید قریش کے مراتب اور رجحانات کو اچھی طرح جانا اور المطلب کے فرمان بردار مگر سمجھدار بھتیجے کی حیثیت سے خود کو متعارف کرایا اور منوایا کیونکہ انہیں یقین تھا کہ بہت جلد انہیں اپنے والد ہاشم اور چچا المطلب کی جگہ لینا ہے، نہ صرف بنو ہاشم بلکہ تمام قبائل قریش کی بھی قیادت سنبھالنا ہے۔ چنانچہ وقت سے پہلے ہی وہ ذمہ

داریاں سنبھالنے کے لئے ذہنی اور عملی طور پر پوری طرح تیار ہو چکے تھے! یمن کے ایک تجارتی سفر کے دوران ان کے چچا المطلب اچانک فوت ہو گئے جبکہ والد تو ان کی پیدائش سے بھی پہلے ہی غزہ میں ایک تجارتی سفر کے دوران میں وفات پا گئے تھے، اس لئے عبدالمطلب کو تمام ذمہ داریاں سنبھالنے میں کوئی مشکل محسوس نہ ہوئی، قریش مکہ کی سیاسی، معاشرتی اور معاشی قیادت کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کی زیارت کے لئے آنے والے مہمانوں کو پانی پلانے (سقایہ) اور کھانا کھلانے (رفادہ) کی ذمہ داریاں بھی بحسن وخوبی سنبھالیں اور نبھائیں! اہل مکہ کو "شہری حکومت" سے متعارف کرانے والے عظیم قریشی لیڈر قصی بن کلاب بن مرہ کے سیاسی اقتدار اور کام کا موازنہ اگر حضرت عبدالمطلب کے دور حکمرانی اور کارناموں سے کیا جائے تو سیاست اور تدبیر میں عبدالمطلب کا پلڑا بھاری نظر آتا ہے، قصی بن کلاب کے لئے مکہ مکرمہ کوئی داخلی مسئلہ تھا ہی نہیں، بنوخزاعہ کو قصی نے اپنے سسر حُلَیل خزاعی کی دامادی سے پرامن طور پر حل کر لیا اور حسب ضرورت اپنے سوتیلے بھائی اور بنوقضاعہ کے لیڈر کی بیرونی مدد سے مخالفین پر غلبہ پالیا تھا لیکن حضرت عبدالمطلب کو اندرونی اور بیرونی خطرات درپیش رہے، امیہ الاکبر نے اپنے سگے چچا ہاشم سے جو عداوت شروع کی تھی اس کی وجہ سے بنوہاشم اور بنوامیہ کی تلخی مستقل عداوت کی شکل اختیار کر گئی تھی (۴)، حرب بن امیہ پھر اس کے بیٹے صخر بن حرب یعنی ابوسفیان نے باری باری عبدالمطلب کو "منافرت" کے چیلنج دیئے جن میں عبدالمطلب لگاتار جیت جاتے رہے، اس کے باعث بنوہاشم سے بنوامیہ کا مقابلہ اور مخاصمت ایک مستقل دشمنی کی شکل اختیار کر گیا، اس کے علاوہ ابرہہ حبشی کی قیادت میں مکہ مکرمہ پر اصحاب الفیل کا حملہ ایک زبردست بیرونی خطرہ تھا جس کا سامنا عبدالمطلب نے بڑی حوصلہ مندی اور دانائی سے کیا، لیکن اس سب کچھ کے باوجود زائرین بیت اللہ کی خدمت اور قریش کے تجارتی اسفار کی قیادت میں

عبدالمطلب پوری طرح کامیاب اور سرخ رو ہوئے! ان سب مشکلات اور مسائل کا مردانہ وار سامنا کرنا اور کامیابی دکھانا عبدالمطلب کو قریش کا مرد عزم و یقین ثابت کرتا ہے اور وہ کامیاب و کامران لیڈر بن کر ابھرتے ہیں۔

یمن پر حبشی قبضہ دراصل عرب میں مسیحی حکمرانی کا آغاز تھا، یمن کے حبشی گورنر ابرہہ الاشرم نے صنعاء میں پہلا عیسائی کلیسا بنانے کے بعد حجاز پر بھی عیسائی تسلط قائم کرنے کا فیصلہ کیا تھا، مکہ مکرمہ پر اصحاب الفیل کا حملہ اسی ارادہ کا مظہر تھا، اہل مکہ کو اس سے قبل اس قسم کے بیرونی حملہ کا سامنا کبھی نہ ہوا تھا، تاریخ میں پہلی بار اس بیرونی حملہ کا سامنا بھی حضرت عبدالمطلب کو ہی کرنا پڑا تھا، جس دانشمندی و دور اندیشی سے انہوں نے اس کا سامنا کیا وہ ان کے قائدانہ اوصاف کے لئے ایک خراج تحسین کی حیثیت رکھتا ہے! انہیں اندازہ تھا کہ اس لشکر کے مقابلہ کے لئے ان کے پاس جنگ کا ساز و سامان نہیں ہے اس لئے خودکشی کے بجائے پرامن رہنا بہتر ہے مگر ان کا یہ بھی غیر متزلزل ایمان تھا کہ حملہ آور لشکر بیت اللہ کو نقصان کبھی نہیں پہنچا سکتا۔ چنانچہ ابرہہ سے ملاقات میں صرف اپنے اونٹ مانگے مگر بیت اللہ کے حوالے سے یہ کہہ کر حملہ آور حبشی کو پانی پانی کر دیا کہ اِنَّ لِلْبَیْتِ رَبًّا یَمْنَعُہٗ بیت اللہ کا مالک تو رب ہے وہ خود ہی اس کا دفاع کرتا ہے (۵) اور یہی ہوا قرآن کریم نے تحسین کے ساتھ عبدالمطلب کے اس فیصلے کو ریکارڈ کیا ہے اور رہتی دنیا تک کے لئے اسے ایک عبرت بنا دیا ہے! یہ بات قریش کے مرد عزم و یقین کی بھی تصدیق و تائید ہے۔

حضرت عبدالمطلب بن ہاشم بلاشبہ اہل عزم و یقین میں سے تھے اور یہ انسان کے لئے خدا کی بڑی دین ہے، اس کے ساتھ ہی انسان پر پھر ایک اور بھی خدا کا فضل ہوتا ہے اور یہ فضل ہے نور بصیرت کا! اللہ کا یہ نور خالص نیت کا ثمر ہوتا ہے جس کی بنیاد پر انسان کے تمام اعمال تعمیری اور بار آور ہوتے ہیں، یہاں سے اس ارشاد نبوی کا راز

بھی کھل جاتا ہے کہ اِنَّما الاعمال بالنیات یعنی عملوں کا دارومدار تو نیتوں پر ہوتا ہے! یہ تمام دولت اہل عزم ویقین کا حق اور نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ سیدنا عبدالمطلب، سلام اللہ علیہ، کی عظیم شخصیت ان اوصاف سے متصف نظر آتی ہے عملی زندگی میں بھی بات تب بنتی ہے جب عزم کے ساتھ توکل اور یقین کے لئے ایمان سہارا بنتا ہے، اسی لئے رسالتمآب، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کو رب العزت نے جو حکم فرما رکھا تھا وہ بھی یہی تھا کہ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ یعنی جب دل میں کوئی پختہ ارادہ ہو تو اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے آگے بڑھیے! اور یہ کیفیت تب پیدا ہوتی ہے جب تمام باطل قوتوں کا انکار اور صرف اللہ رب العزت کی قوتِ قاہرہ کا اقرار عمل میں آجاتا ہے! اسی سے بقول شاعر عارف سلطان باہو، رحمۃ اللہ علیہ، ''تیغ لا'' یعنی شمشیر توحید ہاتھ میں آجاتی ہے: (۶)

چو تیغِ لا بدست آری بیا تنہا چہ غم داری کہ لاموجود فی الکونین اِلّا ہو

عزم ویقین بھی ہو اور پھر تردد اور ہچکچاہٹ بھی انسان کا رستہ روک لے تو پھر تو کئے کرائے پر پانی پھر گیا۔

ایک عرب شاعِر نے بڑی تاکید کے ساتھ بات سمجھائی ہے: (۷)

اِذَا كُنْتَ ذَا رَأيٍ فَكُنْ ذَاعزيمةٍ فَاِنَّ فَسَادَ الرَّاىِ اَنْ تَتَرَدَّدَا

یعنی جب کوئی سوچ دل میں جگہ بنا لے یعنی پکی ہو جائے تو پھر اس سوچ کو عملی شکل بھی دے ڈالو! اس لئے کہ جب تم ہچکچاہٹ کا شکار ہو جاتے ہو تو رائے میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے!

انسانی شخصیت کے یہ تمام اوصاف وخصائص ہمارے سامنے اس وقت پوری طرح جلوہ گر ہو جاتے ہیں جب ہم حضرت عبدالمطلب کی شخصیت کو دیکھتے ہیں! چشمہ زمزم غائب ہوئے صدیاں بیت گئی تھیں! اہل مکہ اچھے پانی کو ترس گئے تھے! حجاج کرام کے لئے بھی پانی کہیں دور سے بھر کے لانا پڑتا تھا اور پھر چمڑے کے حوض میں

بھر دیا جاتا تھا جہاں سے وہ پانی پیتے جاتے تھے! یہ پانی دور سے لانا پھر اسے چمڑے کے حوض میں بھر دینا اور وہاں سے زائرین بیت اللہ کا پانی لینا ایسے مناظر ہیں جو عبدالمطلب بن ہاشم جیسے پرعزم ویقین مرد عمل کے لئے بے حد تکلیف دہ ہیں، ان کی خواہش اور آرزو ہے کہ چاہِ زم زم دوبارہ دریافت ہو اور خلق خدا کو میراث ذبیح اللہ سے متمتع ہونا نصیب ہو!

اور لیجئے! مرد عزم ویقین کی آرزو خواب میں ڈھلنے لگی ہے اور یہ خواب ہی پھر رؤیائے صادقہ کا روپ دھار کر عمل کی شکل میں سامنے آنے کو ہے (۸)، ایک رات خواب میں ہاتف غیبی کی آواز سنائی دیتی ہے کہ اٹھیئے اور چاہ زمزم کو از سر نو دریافت کرنے کے لئے کھدائی شروع کیجئے یہی خواب دوسری اور تیسری رات کو بھی دہرایا جاتا ہے اور تیسری رات جگہ کی بھی نشاندہی ہو جاتی ہے! عبدالمطلب کا شک یقین میں بدلنے لگتا ہے پھر عزم بیدار ہوتا ہے اور بالآخر مرد عزم ویقین توکل علی اللہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں! مگر قریش کے لوگ اسے خواب پریشان اور مجذوب کی بڑ کہہ کر تعاون سے پہلوتہی کرتے ہوئے خیر باد کہہ دیتے ہیں مگر قریش کا مردِ عزم ویقین توکل کے ساتھ کھدائی کے اوزار لیکر میدان عمل میں اترتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد کے بعد ایک بیٹا ہے الحارث بن عبدالمطلب جو باپ کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہے، پھر ایک دن کھدائی کے دوران میں اچانک ایک پرانی تہ نظر آتی ہے، پھر وہ چیزیں ایک ایک کر کے سامنے آنے لگتی ہیں جو بنو جرہم کے انسانیت دشمن فسادی کنوئیں کو پاٹنے کے لئے اس میں ڈال گئے تھے، دبا ہوا چاندی کا ہرن، اور فولادی تلواریں دکھائی دیتی ہیں تو مرد عزم ویقین اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہیں، اہل مکہ چونک پڑتے ہیں، حیرت سے دیکھتے ہیں پھر لپک پڑتے ہیں، ہر ایک یہی کہہ رہا ہے کہ عبدالمطلب! اس شرف واعزاز میں ہمیں بھی شریک کیجئے مگر اب رہ کیا گیا ہے؟ چشمہ تو سامنے ہے، پانی

تو چمک رہا ہے اس لئے عبدالمطلب کا جواب برحق ہے کہ اس شرف واعزاز میں میرا کوئی شریک نہیں ہے، میرا کسی نے ساتھ نہیں دیا ھٰذَا شَرَفٌ خُصِصْتُ بِہٖ دُوْنَکُمْ یہ وہ شرف ہے جو رب نے صرف میرے لئے مختص فرمادیا ہے(۹)! ہاں پانی سب کے لئے ہے! تمہارے لئے بھی ہے، مشرق ومغرب اور جنوب وشمال سے لبیک کہہ کر آنے والے سب انسانوں کے لئے بھی ہے! پندرہ سولہ صدیوں سے قریش کے مردعزم ویقین کی یہ دریافت اسی طرح آج بھی زندہ ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے یہ اسی طرح رہے گا! آب زمزم جو حضرت ہاجرہ کی فریاد، حضرت اسماعیل کی چیخ وپکار اور جبریل امین کے پروں کا صدقہ ہے وہ عبدالمطلب کی بازیافت کے نام سے ہمیشہ کے لئے زندہ وپائندہ ہے!

پھر ایک دن ایسا بھی آتا ہے کہ عبدالمطلب کو اپنے دس جوان بیٹے نظر آتے ہیں تو انہیں اپنی پرانی نذر یاد آجاتی ہے! ان میں ایک تو اللہ کی خوشنودی ورضا کے لئے قربان کرنا ہی ہے، آخر کار قرعہ فال عبدالمطلب کے گھرانے کے یکتائے روزگار عبداللہ کے نام کا نکلتا ہے جس کا فدیہ سو اونٹ بنتے ہیں تو لوگ عبدالمطلب کے اعزاز کو بھی یاد کرتے ہیں اور عبداللہ کو بھی ذبیح اللہ کے لقب کا مستحق گردانتے ہیں(۱۰)! عبدالمطلب کو یمن کے ایک یہودی قیافہ شناس کی باتیں یاد آتی ہیں مردعزم ویقین اس یہودی قیافہ شناس کی پیشین گوئی پر بھی یقین رکھتے ہیں اس لئے اپنے بیٹے عبداللہ کو ساتھ لے کر بنو زہرہ کے وہیب کے گھر پہنچ جاتے ہیں، سیدہ آمنہ کے والد وہب وفات پاچکے ہیں، چچا اپنی بھتیجی آمنہ کا نکاح حضرت عبداللہ سے کردیتے ہیں مگر قریش کے مردعزم ویقین کا دل مطمئن نہیں ہو پا رہا! کہیں نبی منتظر آمنہ بنت وہب زہری کے بجائے ہالہ بنت وہیب زہری کے حصے میں آکر بنو ہاشم سے کہیں باہر نہ چلا جائے اس لئے اسی مجلس میں ہی اپنے دوست وہیب سے اس کی بیٹی ہالہ کا رشتہ اپنے لئے مانگ

لیتے ہیں بھلا قریش کے سردار عبدالمطلب کو اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے کوئی بھی مکی باپ انکار کرسکتا ہے مگر یہ شوق شادی نہیں بلکہ مردِ عزم ویقین کا نورِ بصیرت دور کی بات دیکھ رہا ہے کیونکہ نبوت وحکومت تو ہاشمی مرد اور زہری عورت کے ملاپ کا نتیجہ ہوگا!! مگر قریش کے مردِ عزم ویقین کے نورِ بصیرت کا ایک اور مظاہرہ بلکہ اصل مظاہرہ تو ابھی باقی ہے!

ہاشمی مرد اور زہری عورت کا جوڑا بننے اور پھر اس جوڑے سے کسی ایسے بچے کا جنم لینا جس میں بیک وقت نبوت اور حکمرانی جمع کرنا قدرت ربانی کا منشا اور فیصلہ تھا جس کے بارے میں عبدالمطلب کو اپنے وقت کے قیافہ شناسوں، نجومیوں اور کاہنوں سے پتہ چلتا رہتا تھا، اس کی بنیاد تورات اور انجیل میں مذکور نبی منتظر کے متعلق پیشین گوئیاں تھیں، یہودی احبار کو بھی یقین تھا کہ آنے والے کا تعلق کوہِ فاران کی وادیٔ بطحاء میں آباد اولاد اسماعیل سے ہوگا، انجیل میں جو بشارتیں سیدنا مسیح علیہ السلام نے دی تھیں ان میں تو نام بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتادیا گیا تھا! حضرت عبدالمطلب کے زمانے کی ستائی ہوئی انسانیت کو اس آنے والا کا شدید انتظار تھا، سب کے سب اپنے نجات دہندہ کے منتظر تھے اور ہر جگہ نبی منتظر کے چرچے تھے، یمن میں قیافہ شناس یہودی عالم کتاب مقدس نے عبدالمطلب کے نتھنوں کا معائنہ کیا اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ وہ ہاشمی ہیں انہیں یہ بتایا تھا کہ آپ میں نبی منتظر کی واضح علامات مجھے نظر آئی ہیں اس لئے آپ یا آپ کی اولاد کا اگر بنوزہرہ کی خاتون سے ملاپ ہوگا تو ان کے ملاپ سے نبوت وحکومت کی جامع ہستی جنم لے گی! یہ ایک پرانی پیشین گوئی تھی جو حضرت عبدالمطلب کے ذہن سے اتر گئی تھی، مگر حضرت عبداللہ کو جب لوگوں نے ''ذبیح اللہ'' کے لقب سے پکارنا شروع کردیا تو باپ کو بیٹے کی شادی کا خیال آیا یہی تو قِرَانُ السَّعْدَیْنِ (دو سعید روحوں کے ملاپ) کا مرحلہ تھا، چونکہ وَھْب اور وُھَیْب دونوں حضرت عبدالمطلب کے گہرے دوست تھے اور وہب تو یمن میں ان کے شریک سفر بھی رہے تھے، گھروں

میں آنا جانا اور میل جول بھی تھا، ان کی دونوں جوان بیٹیوں کا بھی انہیں علم تھا، اس لئے حضرت عبدالمطلب فوراً اپنے بیٹے عبداللہ کو ساتھ لے کر وہیب کے گھر پہنچے اور آمنہ سے عبداللہ کا نکاح کرادیا، مگر ہالہ بھی جوان تھیں دونوں بیک وقت تو حضرت عبداللہ کے نکاح میں آنہیں سکتی تھیں اس لئے عبدالمطلب نے اپنے دوست وہیب کی بیٹی کا رشتہ اپنے لئے مانگ لیا، عجب اتفاق ہے کہ دونوں بہنوں کے بیک وقت بیٹے پیدا ہوئے مگر حضرت عبدالمطلب کو سب سے زیادہ خوشی اپنے پوتے کی تھی، فوراً آئے اور اسے بیت اللہ میں لے گئے اور ان کا نام نامی ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' رکھ دیا، وہ انہیں جب واپس لائے تو آمنہ نے بتایا کہ ایک ہاتف غیبی کے مطابق میں تو ان کا نام ''احمد'' رکھ چکی ہوں! کہا کہ آمنہ تمہارا احمد اور میرا محمد دونوں ہی تو ٹھیک نام ہیں، اور ان دونوں ناموں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہمیشہ خوش ہوتے تھے!

مگر اس میں قابل توجہ بات حضرت عبدالمطلب کا عزم ویقین، خلوص نیت اور دوراندیشی بھی ہے، نیت نیک تھی اس لئے بیٹے کا نام محمد یا احمد کے بجائے حمزہ رکھا، کیونکہ ان کا پختہ یقین اور یہ ایمان تھا کہ فرشتہ صفت جواں مرگ یکتائے روزگار عبداللہ کو اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے؟ اب یہی اس ہستی کے والد ہو سکتے ہیں جس میں نبوت وحکومت جمع ہوں گے! نبوت بھی اول النبیین وآخر النبیین ہوگی اور حکومت بھی مثالی ہوگی جو عدل ومساوات اور شورائی جمہوریت کی حامل مثالی حکومت ہی نہیں سیاسی نظامِ مصطفیٰ بھی ہوگا! گھر کے ملازمین خصوصاً حضرت ام ایمن (جن کا نام برکت تھا) کو حضرت عبدالمطلب اکثر وبیشتر حکم دیتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ یا برکہ! میرے اس پوتے کی حفاظت کرنا کیونکہ ان کی ایک شان ہوگی اِنَّ لَہٗ لَشَأنًا، ان سب باتوں سے حضرت عبدالمطلب کا عزم، یقین، حسن نیت اور پختہ ایمان ٹپکتا ہے وہ تو گویا اپنے پوتے کی نبوت پر (اعلانِ نبوت سے پہلے ہی) ایمان بھی لا چکے تھے!

حضرت عبدالمطلب کوئی عام سے قریشی سردار نہیں تھے، وہ کوئی عام سے باپ یا عام دادا بھی نہیں تھے، وہ سراپا عزم ویقین بھی تھے، وہ سراپا تدبر ودور اندیشی بھی تھے، ان کا نور بصیرت اخلاص نیت سے بھی روشن تھا۔ ان کی ہمت ناقابل شکست، ان کی نگاہ بلند اور دور رس تھی، ان کا ایمان غیر متزلزل تھا، وہ ایک ثمر آور درخت تھے جس کے ساتھ کہیں حمزہ، کبھی عبداللہ اور کبھی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لگتے رہے تھے! وہ بلاشبہ قریش کے مردِ عزم ویقین تھے! ان کی مدح وستائش میں مورخین کی آراء واقوال ہیں جن کی تفصیل کے لئے تو یہاں گنجائش نہیں ہے، تاہم ابن سعد نے کہا کہ (۱۳) ''وَكَانَ عبدُ المطلبِ اَحْسَنَ قُرَيشٍ وَجهًا وَأمَدَّه جِسمًا وَأحلَمَه حِلمًا وَاَجوَدَه كَفًّا یعنی عبدالمطلب سب سے زیادہ خوبصورت طویل قامت، بردبار اور سب سے بڑے سخی قریشی تھے! علی حلبی نے لکھا ہے کہ (۱۴) ''وَكَانَ عبدُ المطلب يَأمُرُ أولَادَه بِتَرْكِ الظُّلمِ والبغيِ وَيحثهم عَلىٰ مكارمِ الاخلاقِ وينها هُمْ عَنْ دَنِيئَاتِ الأُمُورِ یعنی حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹوں کو ظلم وسرکشی سے باز رہنے کا حکم دیتے تھے، بلند اخلاق کی تلقین کرتے تھے اور گھٹیا کاموں سے منع کرتے تھے۔

حضرت عبدالمطلب، رضی اللہ عنہ، کو یہ یقین تھا (جیسا کہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ کے مذہبی پیشواؤں کو بھی یقین تھا) کہ صحف سماویہ، تورات وانجیل وغیرہ، میں جس نجات دہندہ کا ذکر ہے اور دنیا کو اس کی ضرورت ہے اس نبی منتظر کے ظہور کا وقت اب قریب ہے اور وہاں اس کی جو علامات، نشانیاں اور لوازمات مذکور ہیں ان کی رو سے اسے کوہ فاران کی وادئ بطحاء میں آباد اولاد اسماعیل کے عربوں میں سے ہونا چاہیے، مگر یہود اس حقیقت سے خوف زدہ تھے اور چاہتے تھے کہ تورات کے ملفوظات کے مدلولات بدل جائیں! نصاریٰ کے مظلوم لوگ اس حقیقت سے خوش ومطمئن تو تھے مگر بعد میں رومی سیاست اور یہودی ضلالت کے باعث وہ بھی بدل گئے! حتیٰ کہ دونوں گروہ

علامات کو دیکھ کر نبی منتظر کو پہچان تو گئے بالکل ایسے ہی جیسے وہ اپنے بچوں کو چہرے مہرے سے پہچان لیتے تھے مگر جان بوجھ کر نادان بن گئے! قرآن کریم نے ببانگِ دہل اعلان کیا کہ یَعْرِفُوْنَهٗ، كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ (یہ اہل کتاب نبی منتظر کو یوں پہچانتے ہیں جس طرح یہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں)۔

لیکن اسی حقیقت کو حضرت عبدالمطلب نے بھی جانا تھا، انہیں نبی منتظر کی بات اس وقت اہل یثرب سے بھی معلوم ہوئی تھی جب وہ اپنی دانا و بینا اور مدبر و دور اندیش ماں سلمٰی بنت عمرو کی آغوش میں جوان ہو رہے تھے، جب یہود یثرب و خیبر اوس وخزرج کے عربوں کو یہ دھمکی آمیز خبر سناتے تھے کہ آنے والا آئے گا اور جب آئے گا وہ ہمارا ہوگا اور وہ جو عالمگیر انقلاب لائے گا اس میں ہم تم سے بھی حساب چکالیں گے (۱۶)،

نبی منتظر کی یہی باتیں حضرت عبدالمطلب نے احبار یہود اور رہبان نصاریٰ سے یمن وحبشہ اور شام و فلسطین کے تجارتی اسفار کے دوران میں بھی سنی تھیں، یہی باتیں حجاز کے بدوی قبائل اور بحرین ونجران کے عرب عیسائیوں سے بھی سنی تھیں، بالکل جیسے بنوضمرہ کے غلام شہزادہ نجاشی نے بھی سنی تھیں (اور نہ صرف یہ کہ ان کی زیارت کا شرف پایا بلکہ علامات نبی منتظر کو بھی ان میں پایا اور ان پر ایمان لایا مگر ایک مصلحت کے باعث اپنی صحبت اور ایمان کو چھپائے رکھا) اور نور ایمان وایقان سے نوازا گیا تھا، اسی طرح حضرت عبدالمطلب اس یقین پر ثابت وقائم رہے! آنے والے کو علامات سے پہچانا اور یقین کیا! مگر یہ ایک مرد عزم ویقین کی بات تھی نہ کہ احبار یہود ورہبان نصاریٰ کی!

حضرت عبدالمطلب کو یہ بھی یقین ہو گیا تھا کہ نبی منتظر کے شدید ترین دشمن یہودی ہوں گے اس لئے انہوں نے نہ صرف حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو یہود کے خطرے سے خبردار کیا بلکہ بنو سعد کی خوش نصیب خاتون حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو بھی بار بار تاکید کروائی (حضرت آمنہ سے بھی تاکید کروائی) کہ میرے اس پوتے کے خطرناک

بدخواہ اور بدترین دشمن یہودی ہیں، اس لئے میرے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حفاظت اس طرح کرنا جس طرح بنوسعد اپنے مہانوں کی کرتے ہیں! قرآن کریم نے یہ کہہ کر دراصل حضرت عبدالمطلب کے اسی یقین کی تائید فرمائی (۱۷) کہ ''تو اے مخاطب! اہل ایمان کا شدید ترین دشمن یہود کو پائے گا'' تو یہ قرآنی تائید چودہ صدیوں سے جہاں یہود کی عداوت اسلام پر گواہ ہے وہاں یہ قریش کے مرد عزم ویقین عبدالمطلب بن ہاشم کے ایمان ویقین کی بھی گواہ ہے۔

کتنا رعب اور ہیبت تھی یمن کے حبشی حاکم ابرہہ الاشرم کے لشکر جرار کی! بیت اللہ گرانے کے لئے وہ ہاتھیوں کے ٹینک لے کر آیا تھا جو خانہ کعبہ کو لتاڑ دیں گے بلکہ مکہ اور اہل مکہ کو بھی پیس ڈالیں گے! مشرکین مکہ کیا تمام اہل عرب پر کیسی کپکپی طاری تھی! حجاز کے در و بام پر کیسی ہیبت طاری تھی! مگر قریش کا مرد عزم ویقین کس قدر مطمئن تھا! اسے اللہ پر یقین تھا کہ وہ صنعا کے کلیسا اور اس کے بنانے والے کو بھسم کر کے نشان عبرت بنا دے گا! ابرہہ کی آدھی شکست تو حضرت عبدالمطلب کا یہ جملہ سن کر ہی ہو گئی تھی کہ ''اِنَّ لِلْبَیْتِ رَبًّا سَیَحْمِیْہِ (خانہ کعبہ کا ایک رب ہے وہی اس کا دفاع کرے گا) باقی کمی وبازدہ کنکریوں نے پوری کر دی جو چھوٹے چھوٹے غیر معروف سے پرندے ابابیل اپنی چونچوں میں اٹھا لائے تھے جو اللہ تعالیٰ کا غیظ وغضب بن کر ہاتھیوں اور ہاتھی والوں پر ایسے برسے کہ سب کو کھائی ہوئی بھوسی بنا کر رکھ دیا کتاب عزیز نے اس داستان عبرت کو طنزیہ انداز میں دہرایا ہے کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کا کیا حشر کیا تھا؟ یہ ارشاد ربانی جہاں قریش کے مرد عزم ویقین کے نور بصیرت وایمان پر شاہد عدل ہے وہاں یہ ان کے مرد عزم ویقین ہونے کو بھی ثابت کرتا ہے!! اور یہ ویسی ہی ''فتح مبین'' ہے جو چند سال بعد ان کے پوتے دریتیم کو صلح حدیبیہ کے ذریعہ حاصل ہوئی تھی جو کوئی قطرۂ خون گرائے بغیر فتوحات

اسلام میں نمایاں مقام حاصل کر کے فتحِ مبین کہلائی! یہ فتح مبین بھی حق سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت غالبہ قاہرہ نے دلوائی اور وہ بھی حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا کرشمہ تھا بلکہ اس کی قدرت حکیمانہ کا ایک کھیل بھی تھا کہ وہ ممولوں سے شاہین کیسے مرواتا ہے، نمرود جیسا مغرور اور متکبر ایک مسکین کے گھسے ہوئے چھتر کے سامنے اپنی مغرور ناک پیش کر دیتا اور اتنے چھتر کھانے پر مجبور ہو جاتا جن سے ناک اور منہ سے اتنا خون بہہ جاتا کہ آخر کار ذلت کی موت اسے مرقع عبرت بنا دیتی ہے! نشہ قوت میں بدمست حبشی ابرہہ الاشرم بھی جب ایسے ہی عبرتناک انجام بد کو پہنچا تو دنیا نے جانا کہ بے پرواہ اور بے نیاز قادر مطلق کمزور کے ہاتھوں طاقتور اور مغرور کا کیا حشر کرواتا ہے! چھوٹے چھوٹے ابابیل چونچوں میں سنگریزے لئے گویا غضب خداوندی بن کر ہاتھی والے لشکر پر برس پڑے اور ایسے برسے کہ ہاتھیوں والا لشکر جرار یوں بے بسی کا سامان عبرت بنا جس کا تماشا دنیائے انسانیت نے دیکھ لیا! کتاب عزیز نے اس مغرور لشکر اور اس کے متکبر سپہ سالار کی بے بسی کی موت کا نقشہ چند لفظوں میں پیش کر کے دنیا کے اکڑنے والے سرکشوں کا نشہ ہرن کر دیا ہے، ارشاد باری ہوا (۱۸) کہ "کیا تم نے دیکھا نہیں کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کا کیا حشر کر دیا؟! اس نے ان کی مکارانہ عسکری چال کو مٹی میں ملا کر انہیں بچی کچھی توڑی نہیں بنا دیا!؟ لیکن اس حملہ آور مغرور لشکر کے اس انجام بد کا یقین صرف اللہ تعالیٰ کے ایک بندہ کو تھا! قریش کا وہی مرد عزم ویقین جسے عبدالمطلب بن ہاشم کے نام نامی سے یاد کیا جاتا ہے!!

لیکن قریش کے اس مرد عزم ویقین کے روح پرور اور غیر متزلزل یقین کی ایک اور مثال بھی ہمارے سامنے ہے اور یہ مثال ہے نبی منتظر کی تشریف آوری اور ظہور کے پختہ یقین کی! وہ در یتیم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابھی چھ سات سالہ معصوم بچہ ہے مگر صحف سماویہ میں اس کے ظہور اور وجود کی علامات کو عبدالمطلب بھی جان گئے ہیں اور احبار یہود بھی

پہچان گئے ہیں! حسد اور بغض کے مارے یہودی اس کی جان کے درپے ہیں! مگر عبدالمطلب نہ صرف نبی منتظر کو پہچان گئے ہیں بلکہ یہود کی اس بدخواہی اور برے عزائم سے بھی آگاہ ہیں! حضرت ابوطالب کو حکم دیتے ہیں کہ ابوطالب! میں تو چراغ سحری ہوں بجھا چاہتا ہوں! میرے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حفاظت کی کٹھن ذمہ داری میرے بعد تو نے اٹھانا ہے! مجھے معلوم ہے کہ تو کثیر العیال بھی ہے اور کسی حد تک مفلوک الحال بھی مگر اس معصوم کی اپنی برکات ہیں! تجھے اس کا بوجھ نہیں محسوس ہوگا! حضرت ابوطالب (اللہ تعالیٰ ان کے معصوم بھتیجے کے صدقے ان کے درجات بلند فرماتا ہی جائے!) نے زندگی بھر اپنے والد کے اس ارشاد کی تعمیل کی اور دم واپسیں تک ہر حال میں اپنے قول کو نبھایا! بلکہ زندگی بھر مشرکین کو للکارتے رہے!(١٩) یہ قریش کے مرد عزم ویقین کا نور بصیرت تھا! ابوطالب کی صلاحیتوں اور اخلاص پر ان کا اعتماد ویقین تھا! مرد قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید! (مرد عزم ویقین کی زبان وہی کچھ بولتی ہے جو اس کا نور بصیرت دیکھ رہا ہوتا ہے!)

مگر نہیں! مرد عزم ویقین کے نور بصیرت نے نبی منتظر کی جو واضح علامات دیکھ کر یہ یقین کر لیا ہے کہ ان کا در یتیم (پیارا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی وہ ہستی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس منصب کے لئے چن لیا ہے، حضرت عبدالمطلب کے پختہ یقین اور ایمان کی (بہت سی مثالوں میں سے) یہ ایک اور مثال بھی دیکھ لیجئے (٢٠) کہ تمام کتب سیرت وتاریخ اور تراجم وتذاکر اس پر متفق ہیں کہ ایک مرتبہ وادئ بطحاء شدید قحط اور خشک سالی کی زد میں آ گئی تھی! بارش بارش اور العطش العطش کی آوازیں وادی میں گونج رہی تھیں! سب کی نظریں حضرت عبدالمطلب پر جمی ہوئی تھیں کہ وہ نکلیں اور جبل ابوقبیس پر دعائے استسقاء فرمائیں تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی باران رحمت سے قحط وخشک سالی سے نجات عطا فرمائیں! مگر قریش کے مرد مومن ویقین کو علم ہے اور علم بھی یقینی ہے کہ یہ

برکت، یہ کشش اور یہ رحمت اب صرف ایک چہرے سے وابستہ ہو چکی ہے! چنانچہ وہ اپنے در یتیم معصوم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لیتے ہیں! مرد عزم ویقین کا نور بصیرت یہ دیکھ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس معصوم کے پاک چہرے کی برکت وکرامت سے وادی بطحاء کو جل تھل کرنے والا ہے! لوگ ابھی جبل ابوقبیس پر ہی ہوں گے! ابن سعد کے الفاظ ہیں (۲۱): قریش کے لوگ حسب ہدایت جبل ابوقبیس پر پہنچ گئے، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ساتھ تھے جو ابھی معصوم بچے تھے، عبدالمطلب آگے آئے اور دعا فرمائی: اے اللہ! یہ تیرے بندے ہیں! تیرے بندوں کی اولاد سے ہیں! تو جانتا ہے ہم جس مشکل میں ہیں! ہم مسلسل خشک سالی کا شکار ہیں! اس سے ہمارے جانور بھی مر چکے ہیں! تو ہی اس خشک سالی سے نجات دلا کر ہمیں اپنی باران رحمت اور خوشحالی سے سرفراز فرما سکتا ہے! چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے سیرابی نصیب ہوئی، وادیاں پانی سے بھر گئیں اور ہر طرف خوشحالی کے جلوے دکھائی دینے لگے، اس موقع پر بنو ہاشم کی ایک باذوق خاتون رُقَیقہ بنت ابی صیفی نے اپنے خوبصورت اشعار سے اس واقعہ کو زندہ جاوید بنا دیا (۲۲)!

بِشَيْبَةِ الْحَمْدِ أَسْقَى اللهُ بَلْدَتَنَا وَ قَدْ فَقَدْنَا الْحَيَا وَ اجْلَوَّذَ الْمَطَرُ

فَجَادَ بِالْمَاءِ جَوْنِيٌّ لَهُ سَبَلٌ دَانٍ فَعَاشَتْ بِهِ الْأَنْعَامُ وَالشَّجَرُ

مَنًّا مِنَ اللهِ بَالْمَيْمُونِ طَائِرُهُ وَ خَيْرُ مَنْ بُشِّرَتْ يَوْمًا بِهِ مُضَرُ

مُبَارَكُ الْأَمْرِ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِهِ مَا فِي الْأَنَامِ لَهُ عِدْلٌ وَلَا خَطَرُ

(۱) شیبۃ الحمد کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ہمارے وطن کو سیراب کر دیا ہے جبکہ ہم خوشحالی کو گم کر چکے تھے اور بارش برسے تو لمبا عرصہ گذر چکا تھا!

(۲) چنانچہ سیاہ بادل خوب برسے جن سے جل تھل ہو گئے ہیں، اب اس سے جانوروں اور درختوں کو نئی زندگی ملی ہے!

(۳) یہ ایک ایسی ہستی کے طفیل اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ہے جو خوش نصیب ہیں (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ایسی بھلائی ہیں عرب کے لئے جس کی کبھی بنو مضر یعنی قریش کو خوشخبری سنائی گئی تھی، (کعب، ربیعہ، مضر اور نزار کے متعلق بعض روایات ہیں کہ یہ نور نبوی اور ظہور محمدی سے آگاہ تھے، اس سے خوش ہو جاتے تھے اور فخر کرتے تھے، اور یہ کوئی بعید نہیں کیونکہ تورات کی پیش گوئی کے تذکرے زمانوں سے جاری تھے!!)۔

(۴) وہ ہستی مبارک ہے! ان کے طفیل ہی تو بارش مانگی جاتی ہے! وہ ایسی ہستی ہیں کہ مخلوق میں نہ کوئی ان کا ثانی ہے نہ ہم پلہ ہے اور نہ اتنی اہمیت والا کوئی اور ہے! (یہ بنو ہاشم کی بیٹی کی زبان پر وہ سچائی رواں ہوئی ہے جس سے صاحب نور بصیرت قریش کے مرد عزم و یقین حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ پہلے سے آگاہ تھے بلکہ وہ تو نور بصیرت سے اس حقیقت کو دیکھ بھی رہے تھے!) (۲۳)

قریش کے یہ صاحب نور بصیرت اور مرد عزم و یقین سیدنا عبدالمطلب بن ہاشم دنیا کے مُعَمَّرِین (طویل العمر لوگوں) میں سے تھے، امام سہیلی (۲۴) نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب مشہور عربی شاعر عبید بن الابرص کے ہم عمر تھے جو ایک سو بیس سال کی عمر میں حضرت عبدالمطلب سے بیس سال قبل فوت ہوا تھا، گویا انہوں نے ایک سو چالیس برس کی عمر پائی تھی مگر ہمت کا یہ عالم تھا کی سو سال سے زائد عمر ہو چکی تھی جب یمن کے حبشی گورنر ابرہہ الاشرم کے پر ہیبت لشکر کو بھی خاطر میں نہ لاتے ہوئے ابرہہ کو یہ کہہ کر دنگ کر دیا تھا کہ خانہ کعبہ کا تو رب ہے جو اس کی حفاظت کرے گا تو نے جو کرنا ہے وہ کر لے بلکہ تو تو کر ہی چکا! اب تو رب کعبہ تیرے ہاتھیوں کو ابابیلوں سے مروائے گا جس طرح وہ بے نیاز دبے پرواہ ممولوں سے شاہین ذبح کروایا کرتا ہے! سورت الفیل کے طنزیہ اور استفہام انکاری کے اس اسلوب بیان پر کم کم دھیان دیا گیا ہے جس میں نمرودوں، فرعونوں اور بڑے بڑے جباروں کے لئے عبرت کا

سامان ہے!

یہ عمر رسیدہ مگر جوان ہمت قریش کا مرد عزم و یقین تھا جو ہر سال اپنی بیوہ بہو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے محافظ دستہ کی یا خود نگرانی کرتا تھا یا یہ کام اپنے باہمت اور مدبر بیٹے ابو طالب کو کہہ رکھا تھا کہ جب بھی وہ اپنے شوہر نامدار عبداللہ کی قبر کی زیارت کے لئے یثرب جایا کریں تو وہ ساتھ جایا کریں گے کیونکہ وہ یہود کے بغض و حسد اور نبی منتظر کے درپئے آزار ہونے پر یقین رکھتے تھے! حضرت آمنہ، سلام اللہ علیہا، کے آخری سفر یثرب میں جب آمنہ کے لال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ساتھ تھے اور وہ ابواء کے مقام پر ہی فوت ہو کر وہیں دفن ہوئی تھیں تو اس سفر میں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، خود میر کارروان تھے!(۲۵)

عبدالمطلب کے گھرانے میں ایک عبداللہ!

کہتے ہیں کہ نام میں کیا رکھا ہے؟ یا یہ کہ نام میں کچھ بھی نہیں ہوتا! لیکن یہ مطلقاً یا بلاقید درست بات نہیں ہے، نام میں سب کچھ یا بہت کچھ نہ سہی مگر کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوتا ہے، کم سے کم اچھا اور خوبصورت نام اچھی اور خوبصورت شخصیت کا آئینہ دار تو یقیناً ہوتا ہے، یہ تو درست مانا جاسکتا ہے کہ گلاب کے پھول کو کسی نام سے بھی پکارو وہ خوشبو تو دیتا ہی ہے مگر اسی پھول کا نام اگر ''کیچڑ'' پڑ جائے تو اس کے نام کی گھن ہی طبیعت کو گدلا دیتی ہے! کسی کالے کا نام اگر (سفید خان) رکھ دیا جائے تو اس کی سیاہی تو اگرچہ کم نہ ہوگی مگر اس کے نام کی آواز کانوں میں ضرور خوشگوار لگتی رہے گی، اسی لئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبول اسلام کے بعد اپنے صحابہ کرام کے جاہلیت والے اور بھدے نام اچھے اسلامی ناموں سے بدل دیا کرتے تھے، حتی کہ اپنے عم زاد عبدشمس (جو آپ کے سب سے بڑے چچا الحارث بن عبدالمطلب کے بیٹے کا نام تھا) آپ نے اسے بدل کر (عبداللہ) رکھ دیا (۱) تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے ایک شخص کو اپنا معاون رکھنا چاہا اور اس نے جب اپنا نام ''ظالم بن سَرَّاق'' (بہت بڑے چور کا ظالم بیٹا) بتایا تو اسے اپنی ملازمت میں لینے سے معذرت کر دی تھی (۲)

حسنِ تسمیہ کے لئے ہمیں کلام ربانی سے بھی رہنمائی میسر آتی ہے، چنانچہ نیک لوگوں کی دائمی رہائش کو جنت (باغ) اور جنۃ الفردوس (ہر لحاظ سے مکمل، کثرتِ میوہ جات والا اور وسیع وعریض باغ) فرمایا گیا ہے جبکہ برے لوگوں کے لئے سزا کی جگہ کو جہنم (دہکتی آگ والی گہری جگہ) کا نام دیا گیا ہے۔ لہٰذا اچھے نام رکھنے کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔

عمرو العُلیٰ ہاشم قریشی کے عظیم فرزند (شَیْبہ یا شَیْبَۃُ الحمد) عبدالمطلب کے دس (یا بارہ) بیٹوں اور چھ بیٹیوں میں سے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی کو ہی عبداللہ، (یعنی اللہ کا بندہ، اللہ کا غلام) کا نام عطا ہوا، عبدالمطلب، عربی زبان وکلام کا بلند ذوق رکھنے والی فاضل شخصیت کے مالک تھے، مگر ان کے ایک بیٹے کا نام عبدالعزیٰ (اور ابولہب اس کا لقب تھا یعنی دہکتے ہوئے چہرے والا) تھا یعنی عزی نامی بت کا غلام یا بندہ اور وہ واقعی ایسا ہی تھا اور دنیا سے بھی ایسے ہی گیا، بتوں کا غلام، خدا کا دشمن اور جہنم کے شعلوں کے سپرد ہوا، صرف یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی ہی پاکیزہ سیرت وبلند اخلاق عبداللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے بندے) تھے جو اپنے وقت کے سب سے زیادہ خوبصورت قریشی نوجوان، ستودہ صفات بہترین نام اور قابل تقلید کردار کے مالک نوجوان سردار تھے (۳)!

زمانہ جاہلیت میں عرب اللہ تعالیٰ کی ذات کو تو بھولے ہوئے تھے اس لئے رب العالمین کے ذاتی اسمِ پاک یعنی اللہ کے سوا صفاتی ناموں (الاسماء الحسنی) سے تو ظہور اسلام سے پہلے کے عرب واقف ہی نہ تھے، اس لئے کسی کا نام (عبداللہ) یا عبدالرحمٰن) یا (عبدالعزیز وغیرہ) رکھنا تو شاذ ونادر ہی مروج تھا، خود قبیلہ قریش میں بھی یہ نام (عبداللہ) تقریباً مفقود تھا، عبدالعزی، عبدیغوث، عبدشمس، عبدالکعبہ یا عبدالدار (۴) جیسے ناموں کا بہت رواج تھا، حضرت عبدالمطلب سے لے کر قریش کے جداعلی عدنان تک کے پورے سلسلہ نسب میں (عبداللہ) نام کا کوئی بزرگ نظر نہیں آتا! مگر یہ کوئی یونہی اتفاقی معاملہ نہ تھا بلکہ اللہ جل شانہ کا ازل سے مقدر کیا ہوا تھا کہ آپ کے والد گرامی کا نام اللہ کا بندہ یعنی عبداللہ ہو اور والدہ ماجدہ کا نام امن اور سکون عطا کرنے والی یعنی آمنہ ہوتا کہ ان بابرکت اور پاکیزہ ناموں کے مالک جوڑے کو تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت وشفقت ہستی کے والدین کریمین ہونے

کا شرف حاصل ہو اور پھر یہی آمنہ (سلام اللہ علیہا) اپنے فرزندِ ارجمند کا نام "احمد" (سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے والا) اور آپ کے والد گرامی کی جگہ لینے والے آپ کے دادا آپ کا اسم پاک "محمد" (جس پر سب سے زیادہ درود بھیجا جائے، جس کی سب سے زیادہ مدح وستائش ہو) نام رکھیں تو بات مکمل ہو جائے اور یوں محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اولین وآخرین (یعنی سب سے پہلا اور سب سے آخری رسول) کے منصب پر فائز ہوں تو تورات وانجیل جیسے صحف سماویہ میں مذکور نبی منتظر کا صحیح مصداق بن کر دنیا میں جلوہ گر ہوں! یہ سب حسین اتفاقات یونہی نہیں یا یہ مسلمانوں کے اپنے گھڑے ہوئے نہیں ہیں بلکہ یہ توفیق بخشنے والے قادر مطلق کی مقدر کی گئی تقدیر مُبرم اور اٹل فیصلہ کا نتیجہ تھا (۵)!

یہ بھی اللہ رب العزت قادر مطلق کا اپنا ہی فیصلہ تھا کہ یہ پاک جوڑا کسی اور بچے کو جنم دینے کا سبب بھی نہ بن سکے بلکہ ان دونوں میں سے ہر ایک انفرادی طور بھی کسی انسانی بچے کا باپ یا ماں نہ بن سکے، مرد ایک سے زیادہ شادیاں بھی تو کرتے تھے، بیوہ بھی تو بعد میں دوسری شادی کر لیا کرتی تھی، مگر ابھی آپ اپنی والدہ ماجدہ کے بطنِ مقدس میں امانت تھے کہ حضرت عبداللہ، سلام اللہ علیہ، اللہ کو پیارے ہو گئے اور سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا، ابھی بیوگی کے ابتدائی سالوں میں ہی تھیں کہ یثرب میں اپنے شوہر نامدار کی قبر کی زیارت کر کے اپنے بیٹے کے ہمراہ واپس مکہ مکرمہ آتے ہوئے بلاد بنوضمرہ میں ابواء کے مقام پر وفات پا گئیں! (ابواء ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ (یثرب) کے درمیان میں واقع ہے (۶)، یہیں پر بنوضمرہ کا غلام شہزادہ نجاشی اور بنوضمرہ کا ہوشیار و پرکار نوجوان عمرو بن امیہ ضمری بھی رہتے تھے، والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد میں بھی اور پھر بعثت سے قبل اور بعد بھی اپنی والدہ ماجدہ (والد ماجد کی قبر کی طرح) کی قبر کی زیارت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آنا اور قبر پر رکنا ثابت

ہے، عمرو بن امیہ کا سفیر نبوی کی حیثیت سے اور نجاشی کا بحیثیت خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پھر اولین مسلمان بادشاہ کی حیثیت سے خدمت اسلام میں تاریخ ساز کردار ہے، کیا عجب کہ ان تینوں ہستیوں۔ نجاشی، عمرو بن امیہ ضمری اور رسول اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان دوستی یہیں پر پکی ہوئی ہو جو دم واپسیں تک قائم و دائم رہی)، اسی لئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نجاشی کو اپنا دوست اور اس کے ملک حبشہ کو ارض صدق یعنی دوستی کی سرزمین قرار دیتے تھے اور بقول ابن سعد ''سرزمین حبشہ ہجرت کے لئے آپ کی پسندیدہ ترین سرزمین تھی (وکانت احب الارض الیہ ان یہاجر قبلہا) (۷)!

محمد بن سعد نے ہشام الکلبی کی روایت سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی اولاد کی تعداد کل اٹھارہ تھی جن میں سے بارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں، سب سے بڑے بیٹے الحارث تھے جن کی والدہ کا نام صفیہ بنت جُندُب تھا، والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبداللہ، زبیر، ابوطالب (اصل نام عبد مُناف تھا)، عبدالکعبہ (جو لاولد فوت ہوئے) ام حکیم (جو البیضاء بھی کہلاتی تھیں) عاتکہ، برہ، اُمَیمہَ اور اَرْ وٰی، ان سب کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ تھیں، حمزہ، (اسد اللہ و اسد رسولہ)، مُقوَّم، حَجَل (اصل نام مغیرہ تھا) اور صَفِیَّہ، ان چاروں کی والدہ کا نام ہالہ بنت وُھَیب (یا اُھَیب) تھا (جو حضرت آمنہ بنت وہب، سلام اللہ علیہا، کی چچازاد بہن تھیں)، قثم، عباس، ضرار، ان سب کی والدہ نُتَیلہ بنت جناب تھیں، ابولہب (عبدالعزی) کی والدہ کا نام لُبنیٰ بنت ہاجر تھا اور غَیداق (مصعب) کی والدہ کا نام مُمَنَّعَہ بنت عمرو تھا، ابن الکلبی کا یہ بھی کہنا ہے کہ ''فَلَم یَکُنْ فِی الْعَرَبِ بَنُو اَبٍ مِثْلَ بَنِیْ عبد المطلبِ'' (عرب میں کسی باپ کے بچے ایسے نہ تھے جیسے عبدالمطلب کے یہ بچے تھے)۔ (۸)

بات کو ذرا آگے بڑھاتے ہوئے اس ضمن میں کلام ربانی سے بھی مزید راہنمائی اور استفادہ کی توفیق ارزانی ہو جائے تو یہ بھی معلوم ہو گا کہ اچھا نام اللہ رب العزت کو

بھی پسند ہے، حدیث پاک میں بھی فرمایا گیا ہے کہ بچے یا بچی کا اچھا اور پاکیزہ سا نام تلاش کرنا والدین کا فریضہ اور اولاد کا اولین حق ہوتا ہے، یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ بہترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، یعنی باری تعالیٰ کے ذاتی نام (اللہ!) اور صفاتی نام (رحمٰن، رحیم، قدیر اور کریم وغیرہ) سے نسبتِ عبدیت والے نام اللہ کے ہاں پسندیدہ ہیں، یا پھر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارک (محمد و احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے نام کے لئے پسند کرنا بہت بڑی سعادت کی بات ہے،

حضرت زکریا علیہ السلام بے اولاد بوڑھے تھے مگر راضی بقضا نبی اللہ تھے، حضرت مریم، سلام اللہ علیہا، کے زہد و تقدس کی برکت سے ان کے پاس بے موسمی پھل دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے نبی کو بھی خیال آیا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی اس نیک بندی کو بے موسم کے پھل عطا فرماتے ہیں تو کیوں نہ میں بھی ایک بے موسمی پھل کی دعا کروں اور دیکھوں کہ سوکھے درخت اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیسے ہرے ہو کر پھل دینے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کن فیکون (ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے!) کیا کیا معجزات دکھاتی ہے۔ چنانچہ اسی محراب میں جہاں حضرت مریم یادِ خدا میں مصروف رہتی تھیں، حضرت زکریا نے بھی یہ دعا فرمائی کہ اگرچہ میں تو سفید سر والا بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے مگر ہماری بھی ایک پیارا سا من مانتا بیٹا مانگنا قدرتی آرزو ہے۔ چنانچہ وہیں پر دعاء کو قبولیت کا شرف بخشتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (۹):

> ''اے زکریا! ہم تجھے ایک ایسے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام ہم نے یحییٰ پسند کیا ہے، یہ ایسا انوکھا اور پسندیدہ نام ہے کہ اس نام کا کوئی لڑکا ہم نے کبھی کسی کو دیا ہی نہیں!!''

یحییٰ کے معنی ہیں: (زندہ ہی رہتا ہے)، کیونکہ یہ حَیِی سے مضارع کا صیغہ ہے جو تسلسل اور دوام کے معنی دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے متواضع منکسر المزاج نبی کی

معصوم سی دعا کو قبولیت کا شرف بخشتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ اچھے معنی والا، خوبصورت اور انوکھا نام اسے بھی پسند ہے جیسے کہ ''عبداللہ'' اللہ کا پسندیدہ نام ہے جسے اس نے کائنات کا سب سے بڑا شرف بخشا اور محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا فرزند ارجمند عطا فرمایا جس پر خدا کی سب خدائی بھی درود بھیجتی ہے، وہ اپنے رب کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے بندوں کا اور تمام خلقِ بحر و بر بلکہ پوری کائنات کا ممدوح و محبوب ہے۔

ناپسندیدہ اور ذہنی کوفت اور اذیت دینے والے الفاظ کی شکل میں لوگوں کے نام دھرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی برائی ہے، یہ عادت عموماً تکبر اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے یا حساب کتاب سے غافل رہنے والوں کا شیوہ اور معمول ہوتا ہے، ایسے ہی یہ لوگ کسی کا حقیقی و مکمل نام بولتے ہوئے بھی بوجھ اور اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں، یہ رویہ مخاطب کے لئے انتہائی تکلیف دہ اور ناگوار ہوتا ہے کیونکہ یہ رویہ توہین و تحقیر اور تذلیل و کراہت کا حامل ہوتا ہے، کسی کا نام تصغیر کی شکل میں بولنا مثلاً علاّمہ کو علامچہ کہہ دینا، بابو کو ببُوا، ملاں کو مُلّو یا ملڑ بول دینا، سیف الدین کو سیفو کہنا، یہ سب صورتیں تصغیر و تحقیر کی ہیں، اسی طرح کسی مسلمان ہو جانے والے بدھ، ہندو، یہودی یا نصرانی کو اس کے اسلامی نام کے بجائے اسے اس کے سابق مذہب ہی کو اس کا نام بنا لینا اور اسے یہودی یا بدھو کہے جانا اسلامی اخلاقیات میں انتہائی پست اور گری ہوئی روش ہے، یہ روش اللہ جل جلالہ کو اس قدر ناپسند ہے کہ اپنے کلام معجز نظام میں اللہ نے اس سے واضح لفظوں میں منع فرمایا ہے، آیت کا ترجمہ یوں ہے (۱۰):

''اپنے معاشرہ کے لوگوں کے عیب اور نقص مت نکالا کرو، ایک دوسرے کے القاب یا بگڑے ہوئے نام نہ دھرا کرو، کیونکہ ایمان لانے کے بعد برائی والا لقب یا نام دھرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بے حد بری بات ہے، مگر جو لوگ توبہ کر کے باز نہیں آتے وہی تو حق تلفی کرنے والے ظالم لوگ ہوتے

ہیں''۔

عرب کے متکبر، بے دین اور خدا و آخرت کے منکرین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور ان کے نام بھی عورتوں والے رکھ لیتے تھے، یہ روش بھی سچائی کے انکار اور تکبر و غرور کے اظہار کی بدترین صورت تھی، کچھ لوگ تو (آج کی طرح کل بھی) بعض مردوں کو بھی عورتوں کے ناموں سے پکارتے تھے، ان تکبر و غرور اور بت پرستی میں ڈوبے ہوئے بے عقل اندھوں کی بھی اللہ رب العزت نے شدید مذمت کی ہے اور انہیں حق تعالیٰ اور یوم آخرت کا منکر ٹھہرایا ہے: (۱۱)

''وہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے جو فرشتوں کو عورتوں والے ناموں سے یاد کرتے ہیں مگر ان کے پاس اس بات کا علم تو کچھ بھی نہیں، یہ تخمینہ بازی یا اٹکل پچو علم تو کچھ بھی نہیں، یہ تو صرف تخمینہ یا اٹکل پچو سے کام لیتے ہیں یہ تخمینہ بازی یا اٹکل پچو علم حق سے بے نیاز نہیں کر سکتی''۔

المختصر یہ کہ اچھے، ستھرے اور خوبصورت نام رکھنا بھی ایسا عمل یا رویہ ہے جو تعمیر معاشرہ میں مفید کردار ادا کرتا ہے، بامعنی، مناسب اور اچھے نام سے انسانی شخصیت و کردار پر بہت ہی اچھا اثر پڑتا ہے، اس کے برعکس بھدے اور ناپسندیدہ نام و القاب معاشرتی سکون اور خوشی کو برباد کر دیتے ہیں اور اچھے یا پسندیدہ نام و القاب وہی ہیں جو اللہ و رسول کی رضا اور خوشنودی کا رنگ لئے ہوئے ہوں اور جن سے اہلِ ایمان کی بھی تسکین ہوتی ہو۔

حضرت عبدالمطلب کے گھرانے کے صحن میں جو پھول کھلے ان میں سے ابولہب کے سوا سب نے نیک اور خوشگوار یادیں چھوڑی ہیں، کیا مرد اور کیا خواتین، سب نے رخِ زمانہ پر اچھے اور قابل قدر تاریخی نقوش چھوڑے ہیں، حضرت عبدالمطلب کی بیٹی حضرت صفیہ ایک پختہ فکر شاعرہ تھیں مگر اس کے ساتھ ہی وہ ایک نہایت دلیر، بہادر اور

جرأت مند خاتون بھی تھیں، حضرت حمزہ ایک پر ہیبت، طاقتور اور شیر کا حوصلہ رکھنے والے بہادر سپاہی تھے، انہیں اسلام کی تاریخ کا سب سے پہلا سپہ سالار ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اسد اللہ واسد رسولہ اور سید الشہداء فرمایا ہے (۱۲)، حضرت عباس بڑے ذہین، معاملہ فہم، گرجدار آواز کے مالک اور خلفائے بنی عباس کے جداعلی تھے، ان سے نسبت رکھنے والے عباسی آج بھی پوری اسلامی دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشیر اور سراغ رسان تھے! لیکن حضرت ابو طالب (عبدمناف بن عبدالمطلب) کا کیا کہنا! مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے لئے انہوں نے ڈھال کا کام کیا، حمایت فرمائی، شعب ابی طالب میں اہل اسلام کا ساتھ دیا اور سرپرستی کی، قریش کے عظیم شاعر مانے گئے، لیکن ان کی شاعری بھی اسلام، اہل اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع کے لئے وقف تھی! مکہ مکرمہ کا کوئی ابوجہل، کوئی ابوسفیان حضرت ابو طالب کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا تھا کہ وہ قریش کے مسلم سردار بنو ہاشم کے لئے سایہ دار درخت کی حیثیت رکھتے تھے اور حضرت عبداللہ کے ماں جائے سگے بھائی تھے (۱۳)! تاہم اس گھرانے میں عبداللہ (سلام اللہ علیہ) صرف ایک ہی تھے، بقول ابن حزم اندلسی قریش اور بنو ہاشم کا تمام شرف اور عزت انہی کی مرہون منت ہے (۱۴) علی اور فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کا رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا اہل بیت کے لئے اللہ تعالیٰ کی مقدر کی ہوئی رحمت ہے جس کے سایہ میں مسلمان باقی اور اسلام زندہ ہے! اگر یہ گھرانہ اسلام کے دفاع میں سدِ سکندری بن کر ڈٹ نہ جاتا تو یزیدیت اسلام کا چہرہ مسخ کر دیتی!

حضرت عبداللہ اور حضرت ابو طالب کی نسل کا بہترین امتزاج حیدر کرار شیر خدا اور حضرت زہراء خاتون جنت کا رشتہ ازدواج ہے اہل بیت کا کمال یہ ہے کہ خلفائے

راشدین کا عہد مبارک چونکہ عہد نبوت کا امتداد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نظام شورائیت کا تسلسل تھا اس لئے یہ اہل بیت ان کے لئے سہارا اور ڈھال بنے رہے، مگر جونہی یزیدی آمریت نے سر اٹھایا گرزِ حسینیت نے اسے چکنا چور کر دیا اور وہ نظام شورائی جمہوریت کا علم لئے سامنے کھڑے تھے! (۱۵)

اب کسی سے کوئی بیعت طلب نہیں کرتا
کہ اہل تخت کے ذہنوں میں ڈر حسین کا ہے!

اسم الجلالہ (اللہ عزوجل) کی طرف اضافت کے ساتھ نامِ پاک (عبداللہ) توحید اسمی کے درس اول کی حیثیت رکھتا ہے اس اسم پاک سے لات ومنات، عزی ویغوث جیسے بتان آزری سے نسبت واضافت کو قطعی طور پر مسترد کر کے اس تسمیہ سے اولاد آدم کو اللہ جل شانہ کے اسم ذات سے جوڑ دیا گیا ہے، اس تسمیہ کے ذریعہ عبدیت کی شان کا راز بھی کھول دیا گیا ہے اور آدمیت کا بھی بول بالا ہو گیا ہے! یوں گویا بندہ کا رشتہ حقیقی آقا سے جوڑ کر جھوٹے آقاؤں کو بھی حرف غلط سمجھ کر مٹا دیا گیا ہے۔ انسان کا سر صرف اور صرف اللہ جل شانہ کے سامنے جھک سکتا ہے جو اس کا خالق بھی ہے رازق بھی ہے اس لئے مالک اور معبود بھی وہی ہے! جب آدم کا خالق اللہ وحدہ لاشریک کا دست قدرت ہے تو اس آدم کے تمام بیٹے بھی برابر، ایک جیسے اور بھائی بھائی ہیں، یہ رنگ ونسل کے جھگڑے تو حادثات کی پیداوار ہیں، اس طرح وحدتِ ربوبیت وحدت نسل انسانی کی اساس بھی ہے اور درس عبرت بھی اس میں برابری اور مساوات کی تلقین بھی ہے اور اخوت وبرادری کا پیغام بھی، تمام انسان، بلاتفریق اور بغیر امتیاز برابر اور بھائی بھائی ہیں۔

''عبداللہ'' میں عبدیت کی جو نسبت صرف اللہ کی ذات پاک سے ہے وہ اس رب کائنات کو کس قدر محبوب اور کتنی پسند ہے، اس کا اندازہ ایک تو اس ارشاد نبوی سے

ہوجاتا ہے کہ عبداللہ اور عبدالرحمن جیسے نام ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ نام ہیں لیکن اصل پسندیدگی اس حقیقت میں پنہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبدیت کی شان اور کمال صرف فرزند عبداللہ یعنی حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اس لئے ان کی ذات کے ساتھ اللہ کے اسم ذات کے بجائے اسم ضمیر (ہٗ اور ہو) ہی کافی سمجھا گیا ہے اور ارشاد ربانی ہوا ہے کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ (پاک ہے وہ ذات (یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ) جس نے رات کو سفر کروایا اپنے بندے (یعنی عبد کامل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو (۱۶)'' یہاں نقطۂ عبرت یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ کے لئے بھی صرف اسم موصول (الذی) آیا ہے اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی عبد کے ساتھ (ہٗ) کی ضمیر کام کر گئی ہے (۱۷)۔

''عبدیت'' مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور قرآنی پہلو بھی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے بلکہ قابل توجہ واہتمام بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں دیگر انبیاء کرام کے لئے جہاں جہاں ''عبد'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے وہ مطلق یا بلاقید نہیں ہے، یا تو سیاق وسباق میں نبی کا ذکر آیا ہے یا ہر نبی کا اسم پاک مذکور ہے، سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کا تذکرہ چل رہا ہے سیدہ مریم سلام اللہ علیہا سے یہود بنی اسرائیل نومولود کے متعلق استفسار کر رہے ہیں مگر معصوم نومولود گہوارہ میں خود کو متعارف کراتے ہوئے بول اٹھتا ہے کہ میں عبداللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں جس نے مجھے کتاب بھی دی ہے اور نبوت بھی عطا کی ہے (۱۹)، یہاں کوئی اطلاق یا ابہام نہیں ہے، سب کو معلوم ہے کہ اللہ کا یہ بندہ مسیح ابن مریم ہی ہے جس کا ذکر اوپر ہو رہا ہے، اسی طرح حضرت سلیمان اور حضرت ایوب کے سلسلے میں ''نعم العبد'' (اچھا بندہ) آیا ہے، یہاں بھی کوئی اشتباہ یا التباس نہیں ہے اس لئے کہ دونوں نبیوں کے اسمائے مبارک بھی مذکور ہیں، حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کے لئے عبد کا لفظ بطور نکرہ آیا ہے اور

فرمایا گیا ہے: فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا (موسیٰ علیہ السلام اور ان کے جوان ساتھی کو ایک بندہ ملا جو ہمارے بندوں میں سے ایک تھا) (۲۰) لیکن محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مطلق انداز میں فرمایا جاتا ہے کیونکہ منطق کا قاعدہ ہے کہ المطلق اذا اطلق یرادبه الفرد الکامل (یعنی مطلق جب اطلاقی انداز میں بولا جائے تو اس سے کامل فرد مراد ہوتا ہے اور انسان کامل تو صرف مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں نا!) چنانچہ قرآن کریم میں عبدہ، عبدنا اور عبداللہ جہاں بھی مطلق کے طور پر آیا ہے وہاں صرف اور صرف محبوب رب العالمین ہی مراد ہوتے ہیں (حضرت زکریا کے لئے عبدہ آیا ہے مگر ان کا اسم پاک بھی ساتھ ہی آیا ہے عبدہ زکریا) سورت الجن میں ''عبداللہ'' مطلق ہے جس سے مراد انسان کامل مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں، سورت بنی اسرائیل اور سورت الزمر میں بھی ''عبدہ'' مطلق ہے جس سے مقصود صاحب اسراء و معراج ہیں! یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ کے نزدیک اپنے محبوب کی کیا عظمت اور کیا مرتبہ ہے اور یہ بھی کہ عبدالمطلب کے گھرانے میں ایک عبداللہ کا وجود بھی بلا سبب نہیں تھا بلکہ موحد اول واعظم خلیل اللہ علیہ السلام کی سنت کا احیاء کرنے والا عبدہٗ بن عبداللہ جو اللہ تعالیٰ کا عبد مطلق بھی ہے اور موحد مطلق بھی! اس بت شکن کی سنت کو زندہ کرنے والے موحد مطلق کی فیصلہ کن ضرب کاری بتوں کو نابود کرنے والی ہوگی، عبدہٗ عبدنا اور عبداللہ کے اطلاق میں کیا حکمت ہے؟ اس کے لئے شاعر اسلام سے رجوع کرنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا جو فرماتے ہیں (۲۱):

عبدہ از فہم تو بالاتر است — زانکه او ہم آدم وہم جوہر است

جو ہر اونے عرب نے عجم است — آدم است و ہم ز آدم اقدم است

(۱) عبدہ تیری سمجھ سے بالاتر ہے! کیونکہ عبدہ تو آدم بھی ہے مگر آدم سے قدیم تر بھی ہے۔

اقبال اپنی اس بات کی تکمیل یوں فرماتے ہیں:

عبد دیگر، عبدہ چیزے دیگر
ماسراپا انتظار او مُنتَظَر
عبدہ دہر است ودہراز عبدۂ است
ماہمہ رنگیم واوبے رنگ وبوست

(۱) عبد ہونا اور ہے عبدۂ کچھ اور ہے، ہم تو سراپا انتظار ہیں مگر عبدہ تو منتظر ہیں جن کا انتظار سب کو تھا!

(۲) عبدۂ دہر ہے بلکہ دہر کا وجود بھی عبدۂ کا مرہون منت ہے، ہم تو بس رنگ ہی رنگ ہیں مگر عبدہ نہ رنگ ہے نہ بو!

یوسفِ وادئ بطحاء یکتائے روزگار عبداللہ

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی انفرادیت و یکتائی بھی اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت کا کرشمہ ہے، لیکن ان کی اس انفرادیت اور یکتائی کے پانچ پہلو بہت نمایاں اور خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، (۱) تسمیہ (۲) حسن (۳) خلق (۴) تاریخ سازی (۵) منفرد اولاد؛ یہ پانچ انفرادی امتیازات ایسے ہیں جن میں اور کوئی فرد بشر ان کا شریک اور ہم پلہ نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔

تسمیہ: اس وقت عرب معاشرہ جہالت اور پسماندگی کے علاوہ شرک اور بت پرستی میں ڈوبا ہوا معاشرہ تھا، اللہ تعالیٰ کی ذات کا ایک مبہم سا اور بے حد ناقص تصور پایا جاتا تھا مگر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت یا توحید باری تعالیٰ کا نہ تو تصور تھا، نہ اس سے کوئی آگاہ تھا اور نہ کوئی اس کا قائل یا ماننے والا تھا بلکہ اس وقت کے مشرک و بت پرست عرب تو توحید باری تعالیٰ کے منکر اور دشمن تھے، جو توحید باری تعالیٰ کا نام لیتا تھا لوگ اس کے بھی جانی دشمن بن جاتے تھے، ان کے پسندیدہ نام تھے: عبدشمس (سورج کا بندہ، سورج کا پجاری یا غلام)، عبدالعزیٰ (عزی نامی بت کا بندہ، پجاری اور غلام)، عبدالکعبہ (کعبہ، جس میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، کا بندہ، پجاری اور غلام) عبدالدار (حویلی یعنی گھر کا بندہ، پجاری یا غلام) اور امرؤالقیس (یعنی قیس کا شخص، قیس کا بندہ اور غلام) مگر ایسے نام تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے تھے جن کے نام اللہ تعالیٰ کی ذات (اللہ) سے وابستہ ہوں اور ان میں اس کی صفات (رحمان، رحیم، قادر، قدیر وغیرہ) کا استعمال کیا گیا ہو، حضرت عبدالمطلب سے لے کر عدنان تک کے طویل سلسلہ نسب میں کبھی بھی عبداللہ، عبدالرحمٰن یا عبدالرحیم نام کی کوئی۔

شخصیت نہیں ہوئی! یہ کیا ہوا کہ قریش کے مرد عزم ویقین نے اپنے اس فرزند ارجمند ہی کا نام عبداللہ رکھدیا؟ اول تو عبداللہ کسی کا نام ہوتا ہی نہ تھا اور اگر ہوتا بھی تھا تو بولا نہیں جاتا تھا! لوگ ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ سے تو واقف تھے اور بولتے بھی تھے مگر عبداللہ بن عثمان، رضی اللہ عنہ، سے نہ کوئی آگاہ تھا نہ یہ نام بولتا تھا حتی کہ لوگ انہیں ابوبکر ''صدیق'' رضی اللہ عنہ بھی کہنے لگے تھے مگر عبداللہ بن عثمان سے آگاہی بھی کسی نے ضروری نہ سمجھی ہو گی! سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے! کہ وہ کبھی کبھی پیار سے اپنے یار غار کو اللہ کا بندہ کہہ دیا کرتے تھے! ایک درجن سے زائد بیٹوں میں سے صرف ایک کا نام ''عبداللہ'' رکھا گیا، نہ کوئی عبدالرحمٰن تھا نہ عبدالرحیم بلکہ ایک تو عبدالعزیٰ بھی تھا جو ابولہب مشہور ہو گیا تھا! اللہ تعالیٰ کے ازلی وابدی نظام قدرت میں یہ طے تھا اور مقدور ہو چکا تھا کہ عبدہٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی کا اسم پاک ''عبداللہ'' ہی ہوگا! یہ بے مثال و بے نظیر تسمیہ صرف اس یکتائے روزگار ہستی کے لئے ہی طے تھا!

حسن و جمال: ظاہری حسن و جمال دستِ قدرت کا کرشمہ اور افراد انسانی کی خوش نصیبی ہوتی ہے، یہ مشیئت ایزدی کا فضل و کمال ہے کیونکہ خالق مطلق ہی مصور مطلق ہے، رحمِ مادر ہی میں وہ قادر مطلق جیسی بھی شکل وصورت عطا فرمانا چاہے اپنے کرمِ خاص اور اعجاز قلم سے بنا دیتا (۲) ہے، مصادر سیرت و تاریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عبداللہ نہ صرف یہ کہ اولاد عبدالمطلب میں سب سے زیادہ حسین وجمیل تھے بلکہ تمام قبائل قریش کے حسین ترین جوان (۳) تھے، یہی نہیں بلکہ لوگ انہیں وادئ بطحاء کا یوسف زمان تسلیم کرتے تھے، حضرت عبدالمطلب خود بھی اپنے وقت کے حسین ترین قریشی (۴) تھے مگر ان کے لخت جگر اور ان کے گھرانے کے یکتائے روزگار عبداللہ کے حسن و جمال کا تو جواب ہی نہیں تھا! یہ قدرتی بات ہے کہ والدین کو اپنے تمام بچے پیارے لگتے ہیں مگر ان میں سے جس بچے کو خداوند تعالیٰ ظاہری حسن و جمال

سے نواز دے وہ تو ماں باپ کی آنکھ کا تارا ہوتا ہے اور سب سے زیادہ توجہ، محبت اور اہتمام بھی اسی کے حصے میں آتا ہے اور یہ بات کسی کے بس کی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انبیاء کا بھی یہی حال ہوتا ہے حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کی مثال ہمارے سامنے ہے! جدائی میں باپ کی آنکھیں فرزندار جمند کے منظر سے محروم کیا ہوئیں کہ مارے غم کے رو رو کر سفید ہو گئیں اور بینائی سے بھی محروم ہو گئیں (۵)! کتاب عزیز کی سورت یوسف اسی جمال و کمال یوسف ہی کی تو داستان ہے جو نہ صرف یہ کہ اربابِ عقل و بصیرت کے لئے عبرت و موعظت قرار پائی ہے بلکہ اہل فکر و فن اور شعرائے باکمال کے لئے موضوع سخن بھی بنی ہے! اسی لئے قریش کے مردِ عزم و یقین عبدالمطلب کے لئے وادئ بطحاء کا یوسف دوران ان کے گھرانے کا یکتائے روزگار اور فرد فرید عبداللہ بھی اپنے ماں باپ کیا بھائی بہنوں کے بھی محبوب ترین بھائی تھے لیکن قریش کے مردِ عزم و یقین کا حوصلہ و ہمت اور عزم و یقین دیکھئے کہ جب اپنے رب سے کیا گیا عہد اور ہوش و حواس میں (سوتے ہوئے خواب میں نہیں!) مانی گئی نذر یاد آئی اور قرعہ فال یوسف وادئ بطحاء کے نام نکلا تو اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اور اسے سنت ابراہیم و اسماعیل کی یاد تازہ کرنے کا موقع جانتے ہوئے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے! اس لئے میں عبدالمطلب کو اپنے وقت کا سچا اور سچا "حنیف" اور ان کے گھرانے کے فرد فرید و یکتائے روزگار عبداللہ کو ذبیح اللہ جانتا اور مانتا ہوں!!

اس یوسف وادئ بطحاء اور یکتائے روزگار فرزند عبدالمطلب بن ہاشم کے متعلق علامہ حسین بن محمد دیار بکری، رحمۃ اللہ علیہ، لکھتے ہیں (اور متعدد دوسرے سیرت نگار بھی ان کی تائید کرتے ہیں) کہ عبداللہ بن عبدالمطلب قریش کے حسین ترین نوجوان تھے، یوں لگتا تھا کہ وہ اپنے وقت میں وادئ بطحاء کے یوسف مصر ہیں اور قریش کی دو

شیزاؤں کو بھی ان سے اتنا ہی شغف تھا جتنا عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) اور اس کے ساتھ کی مصری عورتیں حب یوسف میں پاگل ہوگئی تھیں (۶)۔

حسن خلق: حسن ظاہر اگر حسن باطن۔ بلند اور اچھے اخلاق۔ سے محروم اور بیگانہ رہ جائے تو وہ سراپا شر و فساد بن جاتا ہے، یہ دراصل قلب و جگر کا حسن باطنی ہوتا ہے جو حسن ظاہر کو لگام دیتا ہے، یہ حسن باطن ہی ہے جو انسانی شخصیت کو قابو میں رکھنے والی قوت عطا کرتا ہے اور ضمیر کے واسطہ سے اس کے کردار کو بھی مضبوط کرتا ہے! یہ دل اور ضمیر کی طاقت ہے جو نہ صرف یہ کہ دماغ کو کنٹرول کرتی اور قابو میں رکھتی ہے بلکہ اسے صراط مستقیم اور راہِ حق بھی سجھاتی ہے! انسان کا دل و دماغ جب مضبوطی کے ساتھ راہ حق پر ڈٹ جانے کی قوت محرکہ بن جاتے ہیں تو پھر حسن عمل کی توفیق بھی ہو جاتی ہے اور انسان کا کردار بھی ڈھلتا اور بنتا ہے! یہی قوتِ محرکۂ دل و دماغ ہی حسن باطن کا مظہر ہے! یہ حسن باطن حسن اخلاق جب ظاہری حسن و جمال کے ساتھ مل کر ایک ہو جاتے ہیں تب وہ کردار وجود میں آتا ہے جو صرف انسانیت ہی نہیں کائنات کی بھی تعمیر کرتا ہے! یہی وہ کام ہے جو تاریخ کے عظماء کا طرۂ امتیاز رہا ہے! اسی سے تو وہ تاریخ بنتی ہے جس پر انسانیت فخر کرتی ہے!

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب بھی ظاہری حسن و جمال اور باطنی فکر و کمال کا مجموعہ تھے! ان کا جمال ظاہری ان کے کمال باطنی کا عکس و آئینہ دار تھا! یہ نتیجہ تھا اس تربیت و کردار سازی کا جو انہیں اپنے شریف و نظیف والدین کے سایہ میں میسر آئی تھی، ان کے والد گرامی عامر (شیبہ یا شیبۃ الحمد، عبدالمطلب) بن عمرو العُلیٰ قریشی نے یثرب (مدینہ منورہ) کے قبیلہ بنو نجار کی عظیم خاتون سُلمیٰ بنت عمرو کی گود میں پرورش پائی تھی جس نے انہیں حوصلہ مندی، بردباری اور استقامت کا سبق دے کر قبیلہ قریش کا مرد عزم و یقین بننے کے لئے تیار کر دیا تھا! جب کہ ان کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن

عائذ تھیں جنہوں نے عبداللہ کو عبداللہ، عبدمناف کو ابو طالب اور صفیہ کو صفیہ بنایا تھا، بیٹوں کو مائیں بناتی ہیں تب وہ کچھ بنتے ہیں! یوں جس گھرانے میں اور جن والدین کے زیر سایہ عبداللہ، یکتائے روزگار عبداللہ بنے تھے انہیں معلوم تھا کہ انسان خود بخود نہیں بنتے بنانے پڑتے ہیں اور کردار خود بخود نہیں سنورتے سنوارنے پڑتے ہیں! انسان کو انسان بنانا کوئی آسان کام نہیں اس پر حسن نظر اور دردِ جگر صرف ہوتا ہے تب کہیں جا کے حسن ظاہر کو جمال باطن کا سہارا ملتا ہے اور مکارم اخلاق محاسن اعمال تخلیق کرنے کے قابل ہوتے ہیں!!

تاریخ ساز کردار: حسن اخلاق اور حسن جمال جب کسی انسانی شخصیت میں اکٹھے ہو جاتے ہیں تو پھر اس حسین امتزاج سے وہ کردار تشکیل پاتا ہے جو تاریخ بناتا ہے، حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب چونکہ حسن خلق اور حسن عمل کا حسین امتزاج تھے اور ان کا کمال باطن ان کے جمال ظاہر سے مطابقت رکھتا تھا اس لئے ان کا عملی کردار بھی ایک تاریخ ساز کردار تھا، دراصل یہ تقدیر خداوندی کا کرشمہ تھا، جو ازل سے ابد تک کام کرتی ہے، وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ (ہم اے حبیب پاک! آپ کو اطاعت گذار نیک بندوں سے اطاعت گذار نیک بندوں میں منتقل کرتے رہے ہیں (۸)۔

اس وقت کے عرب معاشرہ میں نکاح کی کم سے کم سترہ صورتیں مروج تھیں مگر شرفائے عرب کے ہاں صرف ایک صورت ہی جائز اور حلال تھی جس میں ایک شریف عورت اور شریف مرد گواہوں کی موجودگی میں میاں بیوی بننے کے لئے ایجاب و قبول کرتے تھے اور معاشرہ میں ایک دوسرے کا پردہ اور سہارا بن جانے کا عہد کرتے تھے، اسلام نے صرف اسی صورت کو ہی روا رکھا اور قانونی شادی مانا ہے۔ لیکن ان سترہ صورتوں میں سے ایک ظالمانہ صورت یہ بھی تھی کہ سر راہ جاتی ہوئی حواء کی بے سہارا اور لاوارث بیٹی پر کوئی منہ زور اور بے لگام مرد صرف اپنی چادر ڈال کر قابو کر لیتا

تھا اور اسے ساتھ چلنے پر مجبور کر دیتا تھا، حضرت عبداللہ کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی قطعی محفوظ رکھا، نکاح کی ایک صورت شرمناک بھی ہوتی تھی، جب کوئی ہوس پرست یا ضرورتمند عورت سرِ راہ گذرتے مرد کو چند لمحات کے عارضی نکاح کی دعوت دے دیتی تھی اور اگر مرد بھی آمادہ ہو جاتا تو ساتھ چل پڑتا تھا، حضرت عبداللہ پر فریفتہ ہونے والی کئی ایک عورتوں نے انہیں اس نکاح کی دعوت دی مگر انہوں نے اسے ہمیشہ مسترد کیا(۹)! ایسی ہی ایک دعوت قتّالہ بنت نوفل (جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ ورقہ بن نوفل کی بہن تھی، تورات وانجیل کے ماہر مکہ مکرمہ میں مسیحی مذہبی پیشوا یعنی پادری یا راہب تھے اور وہ ان لوگوں میں شامل تھے جو وادئ بطحاء میں مردوں کی پیشانیوں میں نور محمدی، علی صاحبہ السلام، کو پہنچاننے کے دعویدار تھے اور صحف سماویہ اور رہبان نصاری کے زائچوں کی مدد سے اپنی بہن قتالہ (یا قتیلة) بنت نوفل کو بھی یہ سب کچھ سکھا رکھا تھا)، ذبح اور فدیہ کے منظر سے ہٹنے کے بعد عبدالمطلب اپنے بیٹے کو بنوزہرہ کے گھرانے میں بیاہنے کے لئے لے جا رہے تھے، وہ قاتلہ قتالہ سج سجا کر بیت اللہ کے قریب کھڑی تھی، آہستہ سے عبداللہ کے کان میں کہا: شادی کے لئے میری دعوت قبول کرلو تو میں تمہیں سو اونٹ بھی دوں گی، جتنا تمہارا فدیہ ادا ہوا ہے، مگر عبداللہ چپ چاپ قدم بڑھا کر اپنے والد سے جا ملے، حضرت آمنہ سے شادی کے تین دن بعد وہ قاتل پھر دکھائی دی تو اس سے پوچھا کہ تیری دعوت شادی اور اونٹوں کی پیش کش ابھی تک قائم ہے تو میں تمہارے ساتھ پکی شریفانہ شادی کے لئے آمادہ ہوں، عورت نے ان کی پیشانی کو دیکھ کر کہا کہ تم تین دن رہے کہاں ہو؟ انہوں نے بتایا کہ بنوزہرہ کے ہاں اپنی بیوی کے پاس تھا، اس موقع پر اس عورت نے ایک جوابی جملہ بولا جو عربی زبان کی ضرب المثل بن گیا: ''كَانَ ذٰلِكَ مَرَّةً اَمَّا الْيَوْمَ فَلَا'' (یہ تو ایک دفعہ کی بات تھی مگر آج تو (۱۰) نہیں!)۔

حضرت عبداللہ سمجھ گئے کہ یہ عورت نکاح کی نہیں بدکاری کی دعوت دے رہی تھی اور اس کا انہیں پہلے بھی اندازہ تھا اس لئے انہوں نے محترمہ کے لئے دو شعر تیار کر رکھے تھے جو نہلے پہ دہلے کے طور پر اسے سنا دیئے:

اما الحرامُ فالمماتُ دُوْنَہٗ و الحِلُّ، لا حِلَّ حتی اَسْتَبِیْنَہٗ

یحمِی الکریمُ عرضہ و دِینَہٗ فکیفَ بالامْر الّذیْ تَبغِیْنَہٗ

(۱) (یعنی محترمہ سنیے!) رہا حرام تو اس سے تو مر جانا ہی بہتر ہے، یہ کام جائز اور حلال تو اس وقت تک نہیں جب تک میں چھان بین نہ کرلوں!

(۲) شریف آدمی تو اپنی عزت اور دین کی حفاظت کرتا ہے، تو پھر یہ غیر شریفانہ کام جو تم چاہ رہی ہو، کیسے ممکن ہے؟

یہ تو حضرت عبداللہ کا سماجی اور اخلاقی کردار ہے جو تاریخ نے محفوظ کرلیا ہے مگر والد کی اطاعت گذاری اور اپنے رب کی رضا و خوشنودی کے لئے انہوں نے جس صبر و شکر اور حوصلہ مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے باپ کے سامنے مَذْبَحْ پر اپنی گردن رکھ دی تھی! مگر بہن بھائیوں، رشتہ داروں اور سرداران قریش نے اپنے مرد عزم و یقین کا ہاتھ روک لیا اور قرعہ اندازی اور فدیہ سے خدا نے انہیں بھی اسی طرح سرخ رو کیا جس طرح ان کے جد اعلیٰ حضرت اسماعیل کو سرخ رو کیا تھا سو اگر وہ ذبیح اللہ ہیں اور بلا شبہ ہیں تو پھر اہل مکہ بھی یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ ہمارا یکتائے روزگار عبداللہ بھی ذبیح اللہ کے لقب کے مستحق ہیں!

بے مثال اولاد: سیدنا عبدالمطلب کے گھرانے کے فرد فرید اور یکتائے روزگار عبداللہ کے خصوصی امتیازات پنجگانہ میں سے یہ پانچواں اور آخری منفرد امتیاز تو تمام امتیازات پر اولیت کا حامل بھی ہے اور سب پر فوقیت بھی رکھتا ہے بلکہ اگر باقی انفرادات و امتیازات نہ بھی ہوں تو یہی ایک انفراد اور امتیاز ایسا ہے جو سب پر بھاری

اور کافی ہے اور زمانے جس کی مثل نہیں لا سکے اور اب اس کی نظیر لانے سے ہمیشہ عاجز ہی رہیں گے بقول شاعر (۱۰):

مَضَتِ الدُّهُوْرُ فَمَا اَتَيْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَقَدْ اَتٰى فَعَجَزْنَ عَنْ نُظَرَائِهٖ

یعنی زمانے بیت گئے مگر اس کی مثل کوئی نہ لا سکے، مگر اب وہ آ گئے ہیں تو ان کی نظیر لانے سے عاجز ہیں! کیونکہ یہ بات ہے سید الاولین والآخرین کی، وہ جو ہیں تو اولاد آدم ہی مگر حقیقت میں آدم سے بھی پہلے تھے! وہ اس وقت بھی نبی تھے جب آدم ابھی مٹی اور پانی کے درمیان تھے، سب سے پہلے نبی بھی وہی ہیں اور سب سے آخری نبی بھی وہی ہیں، وہ وجود میں تو سب پر مقدم ہیں مگر بعثت اور ظہور میں سب سے آخری ہیں، وہی جن کے متعلق اللہ رب العزت نے تمام انبیائے کرام کی مقدس روحوں سے یہ عہد لیا تھا کہ اس رسول اعظم و آخر کے آنے کے بعد تمہاری نبوتوں کا عملی دور مکمل سمجھا جائے گا، ان کے تشریف لانے کے بعد اگر تم میں سے کوئی دنیا میں ہوا بھی تو اسے اپنی نبوت کا کام مکمل سمجھتے ہوئے ان کی پیروی کرنا ہوگی کیونکہ اسی نے تو تم سب کی نبوتوں کی تصدیق فرمانا ہے (۱۱)! خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والد گرامی ہونا بہت بڑا امتیاز ہے اسی لئے عبدالمطلب کے گھرانے کے فرد فرید اور یکتائے روزگار عبداللہ جیسا باپ نہ کوئی تھا، نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا! یہ اتنی بڑی اُبُوَّت (باپ ہونا) ہے جس سے بڑا باپ ہونے کا شرف اور کیا ہوگا! یہی عبداللہ تو حضرت عبدہٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمہید اور بشارت تھے!

اس فرزند عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر تمام بڑائیاں، تمام عظمتیں اور تمام شرف و اعزاز ختم اور مکمل ہو گئے کہ اس نے دنیائے انسانیت کو ایک ایسا دستور عطا کیا ہے جو دنیا کے ساتھ آخرت کی کامیابی کا بھی ضامن ہے! یہ احترام آدمیت، سب کی مساوات و برابری بلکہ انسانی برادری کا بھی ذمہ دار ہے، یہ ایک ایسا منشور آزادی ہے جس نے

انسانیت کا بول بالا کر دیا، جس نے رنگ و نسل، حسب ونسب کے نسلی غرور کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا ہے! اس نے عدل و انصاف کو امن و امان کی ضمانت قرار دیا ہے! عدل کے بغیر دنیا میں امن کبھی قائم نہیں ہوسکتا! دنیا کے ہر انسان، ہر قوم اور ہر خطے کے ساتھ جب تک انصاف نہیں ہوتا، ہر ایک کو جب تک اس کا حق نہیں ملتا اس وقت تک دنیا میں امن اور اطمینان کے سب دعوے جھوٹے، بیکار اور بے حقیقت ہیں! وہ جس نے عفو و درگذر اور شفقت و رحمت سے دنیا کو فتح کیا، اس کی فتوحات کا دارومدار تلوار پر نہیں بلکہ حسن اخلاق اور کردار پر تھا! وہ انسانیت کا محسن، سب کا خیر خواہ اور تمام کائنات اور تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت ہے کہ وہ رحمۃ للعالمین، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں! یہی ان کا اہم امتیاز اور یہی ان کی نمایاں ترین خصوصیت ہے۔

اس ہستی کا والد گرامی ہونا عبدالمطلب کے گھرانے کے فرد فرید اور یکتائے روزگار عبداللہ کا مقدر تھا! یہ مقدر ازل سے اسی عبداللہ کے لئے لکھا جا چکا تھا! یہ اعزاز اور یہ شرف اس عبداللہ کو نصیب ہوا جو ایک فاطمہ کا لخت جگر اور دوسری فاطمہ زہراء، رضی اللہ عنہا کے دادا ہوئے۔

بعض مؤرخین اور سیرت نگاروں نے یوسف قریش اور وادیٔ بطحاء کے یکتائے روزگار عبداللہ سلام اللہ علیہ، کی پیدائش کے لمحات کو بھی ریکارڈ پر لانے کی کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ جب کسرائے ایران نوشیروان عادل کی بادشاہت کے بیس سال بیت گئے تو عبدالمطلب کے گھرانے میں عبداللہ نے جنم لیا تھا! یہ وہ زمانہ تھا جب احبار یہود اور رہبان نصاریٰ میں سے ماہرین علم نجوم و کہانت نے اپنے اپنے صحف سماویہ کی مدد سے نبی مُنتظر کے ظہور کے زائچے اور غیب شناسی کے کئی ایک اٹکل پچو تیار کر رکھے تھے، ظلم و فساد کی ستائی ہوئی انسانیت اپنے نجات دہندہ کی بڑی شدت کے ساتھ مُنتظِر تھی، شام میں احبار یہود کے پاس تو ایک سفید جبہ تھا جسے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے

خون میں ڈبویا گیا تھا اور اس کے اوپر لکھ رکھا تھا کہ جب اس سفید جبے سے خون کے قطرے ٹپکنے لگیں تو سمجھ لو کہ آج وادیٔ بطحاء میں نبی مُنتظر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد پیدا ہو گئے ہیں (تحریف شدہ تورات اور انجیل میں حقیقت کے جو مدہم سے نقوش دست برد تحریف سے بچ گئے ہیں، ان کو اگر آج بھی ملا کر پڑھیں اور باقی ماندہ حروف کو غور سے دیکھیں تو یہ بات یقینی نظر آنے لگتی ہے کہ آنے والا اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے یعنی عربوں میں سے ہوگا، کوہِ فاران کی وادیٔ بطحاء سے ہوگا اور سیدنا مسیح علیہ السلام کی بشارت کے مطابق تو آنے والے نبی مُنتظر کا نام بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معلوم تھا! ظاہر ہے تحریف کرنے والوں کی باقیات یہود کے احبار اور نصاریٰ کے رُھبان کے پاس تو یقینی علم ہونا ایک بدیہی بات تھی) کہا جاتا ہے کہ احبار یہود (جو اس کوشش میں تھے کہ نبی مُنتظر یہود بنی اسرائیل میں سے ہی ہونا چاہیے اور اگر وہ مرد خدا موسیٰ علیہ السلام کی وحی کے مطابق اولاد اسماعیل سے اور وادی بطحاء میں پیدا بھی ہو جائے تو اسے یا مار ڈالو اور یا ماننے سے ہی انکار کر دو! حسد اور بغض کے مارے یہودی پندرہ صدیوں سے اسی بغض، عناد اور عداوت و حسد کی آگ میں جلے جا رہے ہیں اور اب تو عالمی صہیونیت نے انکل سام کو بھی اپنا بے لگام گھوڑا بنالیا ہے اور بھارت کے لبھو رام کی پاکستان دشمنی کا استحصال کرتے ہوئے اکھنڈ بھارت کے جنونیوں کو بھی ایک بالگام گدھے کے طور پر اپنی عالمی صہیونیت کے نقشے میں جڑ دیا ہے! اب یہود کے غیظ و غضب اور بغض و حسد کی آگ سے عالم انسانیت کو خدا ہی بچا سکتا ہے) شام سے چل کر عبدالمطلب کے گھرانے کے یکتائے روزگار عبداللہ کو مار ڈالنے کے لئے مکہ مکرمہ آئے تھے مگر خائب و خاسر لوٹنا پڑا! کیونکہ انہیں شاید یہ نہیں معلوم تھا کہ قدرت خداوندی کا حصار حضرت عبدہٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کی حفاظت کر رہا ہے جس کا نام تھا قریش کا مردِ عزم و یقین عبدالمطلب بن ہاشم! انہوں نے اپنے بیٹے کے تحفظ کا انتظام

بھی اسی طرح کر رکھا تھا جس طرح انہوں نے اپنے پوتے حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہود کے شر سے بچانے کا انتظام کیا تھا!

ہم نے حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کو یوسف وادئ بطحاء یونہی اپنے پاس سے نہیں لکھ دیا بلکہ ہمارے مؤرخین و سیرت نگار بلا استثناء ان کے ظاہری حسن و جمال کے ساتھ ساتھ ان کے محاسن اخلاق اور باطنی خوبیوں اور کمالات پر بھی متفق ہیں، ان میں سے اکثر نے انہیں یوسف مصر کے مقابلے میں یوسفِ قریش مانا ہے، جس طرح مصر کی زلیخا اور اس کی ہمجولیاں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر دیوانی بلکہ حواس باختہ ہوگئی تھیں اسی طرح حضرت عبداللہ کے ظاہری حسن و جمال نے قریش کی زلیخاؤں کے دل بھی ہلا دیئے تھے! چنانچہ مشہور مؤرخ و سیرت نگار علی حلبی صاحب سیرتِ حلبیہ لکھتے ہیں (۱۲):

''جیسا کہ اوپر بیان ہوا حضرت عبداللہ قریش کے سب سے زیادہ حسین وجمیل نوجوان تھے! نورنبوت محمدی، علی صاحبہ الصلوات والسلام، ان کے چہرے سے یوں چمکتا تھا جیسے کوئی روشن ستارہ چمک رہا ہو، ان کے اس حسن و جمال کی وجہ سے قریش کی دوشیزائیں ان پر فریفتہ تھیں اور سب ان پر جان چھڑکتی تھیں! کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کا نکاح ہوگیا تو قریش کے قبائل بنومخزوم، عبدشمس اور بنوعبدمناف میں کوئی بھی کنواری ایسی نہ تھی جو احساس محرومی کے باعث غم وحسرت سے بیمار نہ پڑ گئی ہو! ان میں سے ہر ایک اس غم سے نڈھال تھی کہ اس کی شادی سردار قریش عبدالمطلب کے فرزند عبداللہ سے کیوں نہ ہوسکی!''

علامہ حسین بن محمد دیار بکری صاحب تاریخ الخمیس نے بھی یہی بات ذرا مختلف پیرایہ میں بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں (۱۳):

''فخرج عبداللہ اجمل قریش فشغفت بہ کل نساء قریش وکدن ان

تذھل عقولھُنَّ فلقی عبداللہ فی زمنه من النساء ما لقی یوسف فی زمنه من امرأۃ العزیز! یعنی حضرت عبداللہ حسین ترین قریشی بن کر سامنے آئے، چنانچہ قریش کی عورتیں ان پر فریفتہ ہوگئیں اور قریب تھا کہ پاگل ہو جائیں، چنانچہ عبداللہ کو بھی اپنے زمانے کی عورتوں کی طرف سے ایسی ہی صورت حال کا سامنا ہوا جس کا حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے زمانے میں عزیز مصر کی بیوی کی طرف سے سامنا کرنا پڑا تھا''

لیکن یہ کوئی مبالغہ آمیزی نہیں ہے، بلکہ قیافہ شناس عربوں اور زائچہ ساز یہودی نجومیوں نے حضرت عبداللہ کے حسن و جمال اور ان کی پیشانی سے چمکتے ہوئے نور محمدی، علی صاحبہ الصلوات والسلام، کو دیکھ کر اہل مکہ کے گھروں میں جیسے جادو کی پھونکیں مار مار کر طالع آزما قسم کی دوشیزاؤں کو مسحور کر دیا ہوا تھا کہ وہ اس طرح نبوت کو اولاد اسماعیل میں منتقل ہونے سے روک سکیں گے، چنانچہ جن جن عورتوں نے حضرت عبداللہ سے تعرض کیا اور ان کو بھٹکانے کے جتن کئے ان سب کا پس منظر کسی نہ کسی نجومی یہودی، زائچہ ساز اہل کتاب اور قیافہ شناس سے ملتا تھا، حتی کہ ان میں سے بعض نے تو حق مہر لینے کے بجائے سو اونٹ دینے کی پیشکش بھی کی، اس سے ''یوں لگتا ہے کہ یہ کاہن، راہب اور قیافہ شناس وغیرہ، جو نور نبوت محمدی کی چمک دمک کو پہچان چکے تھے، اسے معاذ اللہ لوٹ کا مال تصور کرتے تھے جو جائز و ناجائز ہر طریقہ سے (صلب سے رحم میں) منتقل ہوسکتا تھا، انہیں کیا معلوم تھا کہ اس نور مقدس کا تحفظ اور (اس کی عصمت و صیانت) کا نظام خداوندی تو ازل سے ابد تک طے ہو چکا تھا اور اس نور مقدس نے تو اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتے رہنا تھا (۱۴)، لیکن (وہ جو کہتے ہیں کہ) قسمت آزمائی میں کیا حرج ہے''

جس طرح یوسف صدیق علیہ السلام کے والد گرامی اپنے حسین و جمیل نور نظر سے محبت کرتے تھے اور انہیں اپنی نگرانی میں بھی رکھا ہوا تھا مگر برادران یوسف کے حسد کے

سامنے بے بس ہو گئے تھے اوران کا نور نظر کنویں سے شاہی محل یا یوں کہہ لیجئے کہ چاہ سے چاہت میں پہنچ گئے تھے، اسی طرح عبدالمطلب بھی اپنے سرمایہ حسن ظاہر و باطن حضرت عبداللہ سے بہت پیار کرتے تھے، گویا وہ بھی اپنے والد کے چہیتے نور نظر تھے مگر امر ربی یہ تھا کہ حاسد و معاند یہود وقت چونکہ برادران یوسف سے بھی زیادہ خطرناک تھے اس لئے قدرت کے نظام خداوندی نے قریش کے مرد عزم و یقین عبدالمطلب بن ہاشم قریشی کو حضرت یعقوب علیہ السلام سے زیادہ فکر مند اور ہر لحظہ بیدار مغز و بیدار نظر بنا دیا تھا! حضرت عبدالمطلب نہ صرف یہ کہ ''اپنے یوسفِ قریش'' یکتائے روزگار عبداللہ کا تحفظ کرنے میں کامیاب رہے بلکہ عبداللہ کے فرزند بے مثل و بے نظیر عبدہٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ جس طرح یہود کے شر سے بچاتے رہے پھر اپنے بعد یہ مشکل کام اپنے بیدار مغز سیاستدان اور مدبر و بہادر قائد بیٹے ابو طالب کو سونپ گئے تھے! حقیقت میں تو یہ سب کچھ نظام قدرت خداوندی کا کرشمہ تھا تاہم حضرت عبدالمطلب اوران کے فرزند حضرت ابوطالب کی شاندار خدمات ناقابل انکار بھی ہیں اور ناقابل فراموش بھی! ان بزرگوں نے جس طرح حضرت عبداللہ اور حضرت عبدہٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تائید وحمایت فرمائی، ہر قدم پر ان کے تحفظ کو مقدم رکھا وہ تشکر کا مستحق، قابل قدر اور قابل داد احسان بھی ہے!''وَعِندَ اللہِ فِی ذَاکَ الجزاء''

حضرت عبداللہ کی ولادت، تربیت اور عملی زندگی

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے احوال وکوائف زندگی پر اگر ایک سرسری سی نظر ڈالیں تو وہ اپنے والد کا ایک پسندیدہ بچہ، بالکل لاڈلا سا اور زیادہ تر باپ کی نظر عنائت اور خصوصی توجہ کے سائے میں وہ پرورش پاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، اس کی ایک وجہ تو غالباً ان کی منموہنی صورت، معصومیت اور انتہائی سادہ طبیعت ہے لیکن والد گرامی کے خصوصی اہتمام اور توجہ کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ انہوں نے یثرب (مدینہ منورہ) میں اپنے ننھیال، بنوعدی بن نجار (۱)، کے ہاں عنفوان شباب ہی میں یہود یثرب وخیبر کے ہاں تورات کی پیشین گوئی کے مطابق وادیٔ بطحاء میں آباد اولادِ اسماعیل علیہ السلام یعنی عربوں میں نبی منتظر کی پیدائش اور ظہور کے چرچے سنے تھے، یثرب سے اپنے چچا المطلب کے ہمراہ جب وہ مکہ مکرمہ پہنچے، تو حجاز ویمن اور شام وفلسطین کے تجارتی اسفار کے دوران میں احبار یہود، رہبان نصاریٰ اور کہانِ عرب سے آنے والے نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی کے تذکروں نے حضرت عبدالمطلب بن ہاشم جیسے صاحب عقل و بصیرت اور عزم ویقین انسان کو چوکنا کر دیا تھا، ان اسفار اور حصول معلومات نے انہیں ایک طرف تو جاہلیت کے رسم ورواج اور شرک وبت پرستی سے بیزار کر دیا تھا اور دوسری طرف اس نے انہیں اپنے وقت کے مکی حنفاء کی طرف نہ صرف مائل کر دیا تھا بلکہ حضرت خلیل اللہ اور حضرت ذبیح اللہ علیہما السلام کے دین واخلاق کا دلدادہ بھی بنا دیا تھا، اس وقت جو کچھ بھی دین ابراہیمی میں سے بچ رہا تھا (کم سے کم شرک سے بیزاری اور حنیفیت کی طرف میلان) اسے انہوں نے اپنے اس ضابطہ اخلاق میں شامل کر لیا تھا جس کی وہ اپنے بیٹوں کو تلقین بھی فرماتے رہتے تھے (۲)!

اس تمام صورت احوال نے حضرت عبدالمطلب کے اس خیال کو مزید تقویت بخشی تھی کہ جہاں نہ صرف طائف و مکہ کے بعض رجال کبراء (بڑے لوگ) آئندہ نبوت کے ہما اپنے سروں پر بیٹھتا سجتا محسوس کر رہے تھے، جیسے طائف کا شاعر امیہ بن ابی صَلت اور بنو مخزوم کا ادیب وخطیب ولید بن مغیرہ (۳) وغیرہ، بلکہ شام کی سیاحت پر جانے والے بعض عرب قبائل کے لوگ بھی اس منصب کی امید لگائے بیٹھے تھے، جیسے بنو تمیم کے چار نوجوانوں کا قصہ ابن الجوزی نے نقل کیا ہے (۴)، اس لئے حضرت عبدالمطلب کا یہ سوچنا بالکل بجا اور برحق ہے کہ اگر تورات یہ اعزاز وادیٔ بطحاء کے عربوں کو عطا کرتی ہے تو پھر اس وادی میں اشراف بنو ہاشم سے زیادہ افضل و برتر کون ہوسکتا ہے جو اس اعزاز کا حقدار ہو؟ مگر حضرت عبدالمطلب سے ایسی کوئی بات اشارۃً یا کنایۃً منقول نہیں ہے کہ وہ بھی خود کو اس ہمائے نبوت کا حقدار سمجھتے تھے، تاہم اپنے ہاتھ پر زمزم کی دوبارہ دریافت کے بعد اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا و تمنا پوری کر دی اور وہ ایک درجن کے قریب کڑیل نوجوانوں کے باپ بن گئے تھے تو وہ بھی افضل قبائل قریش بنو ہاشم کو اس انعام ربانی کا حق دار تصور کرنے لگے تھے! پھر جب ان کڑیل جوانوں میں حضرت عبداللہ بھی شامل ہو گئے تو ان کی معصومیت، من موہنی صورت اور پسندیدہ اخلاق نے حضرت عبدالمطلب کو اس طرف مائل کر دیا تھا کہ ہو نہ ہو، عبداللہ میں ضرور کوئی خاص بات ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ بعض شامی احبار یہود ماہرین نجوم کے بعض تصرفات نے بھی ان کی سوچ کو یقین میں بدل دیا تھا کہ ہوسکتا ہے آنے والا واقعی عبداللہ کی صلبی اولاد سے ہو، یہود یمن کے ایک قیافہ شناس نے بھی ان کی سوچ کو یقین میں ڈھال دینے میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا، اسی لئے حضرت عبدالمطلب اپنے معصوم اور من موہنے بیٹے یکتائے روزگار عبداللہ کے تحفظ اور سلامتی پر خصوصی توجہ دیتے تھے، کیونکہ یہود کے حسد اور بغض نے ان کے لئے خطرات پیدا

کردیئے تھے!

حضرت عبداللہ سے ان کے والد گرامی کی خصوصی محبت اور نگاہ عطف وکرم کی ایک اور وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت عبداللہ اپنی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ کے بطن سے جنم لینے والے تمام بھائیوں میں سب سے چھوٹے بھی تھے یعنی زبیر اور ابو طالب ان سے بڑے تھے، نیز حضرت عبداللہ اپنی بہن ام حکیم البیضاء کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئے تھے، یہ ام حکیم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی نانی بھی تھیں، حضرت عباس اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما تو حضرت عبداللہ سے بہت چھوٹے تھے، اس لئے بعض مؤرخین اور سیرت نگار حضرات کا یہ قول درست نہیں لگتا کہ حضرت عبداللہ اپنے والد کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے، امام سہیلی (۷) نے اس غلطی کی تصحیح یوں کی ہے کہ عبداللہ اصغر اولا دابیہ کہنے کی بجائے اصغر اولا دامہ کہنا چاہئے تھا، اسی طرح دیار بکری کا یہ قول بھی قابل غور ہے کہ جب حضرت عبداللہ کی ولادت ہوئی تو اس وقت تک کسریٰ نوشیروان کی تخت نشینی کو چوبیس سال (۹) ہو گئے تھے، مگر اسی دیار بکری کا یہ بیان بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت عبداللہ کے فرزند ارجمند رسول اولین و آخرین اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت بھی وہی کسریٰ نوشیروان فارس کا حکمران تھا اور اس کی حکمرانی کو قائم ہوئے بیالیس (۴۲) سال ہو چکے تھے، یوں گویا باپ کی ولادت اور ان کے فرزند ارجمند خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کے درمیان کم وبیش بائیس سال کا عرصہ بنتا ہے، اس لحاظ سے بعض اہل علم کی اس رائے کو تقویت ملتی ہے کہ یکتائے روزگار عبداللہ نے زندگی کی صرف اکیس بائیس بہاریں ہی دیکھی تھیں! تاہم صاحب اسد الغابہ کا بیان یہ ہے کہ نوشیروان کی حکمرانی کو ولادت نبوی کے وقت چالیس سال ہو چکے تھے، وہ مولد نبوی کے بعد سات آٹھ ماہ تک زندہ رہا!

امام حسین بن محمد دیار بکری صاحب تاریخ (۱۰) الخمیس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس دور میں پوری دنیا میں، خصوصاً شام و عراق، میں ستارہ شناسی کے بڑے چرچے تھے، ماہرین علم نجوم دنیا کے واقعات کو افلاک و ابراج کی حرکات سے جانچتے تھے، توراتی پیشین گوئی کے مطابق نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے چونکہ کوہِ فاران کی وادی بطحاء کے اسماعیلی عربوں میں پیدا ہونا تھا اور ان کے ظہور کا وقت بھی بہت قریب تھا اس لئے احبار یہود بے حد فکر مند اور پریشان تھے۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ آنے والا اول تو یہود بنی اسرائیل میں سے ہونا چاہیے اور اگر وہ عرب لونڈی زادوں (معاذ اللہ) میں پیدا ہو بھی جائے تو اسے مار دیا جائے یا اسے ماننے سے ہی صاف انکار کر دیا جائے، چنانچہ شام، یمن اور حجاز کے یہودی مذہبی پیشوا نہ صرف علم نجوم میں مہارت حاصل کرتے تھے بلکہ بعض کا تو موضوع مطالعہ ہی نبی منتظر کے ظہور کے وقت اور جگہ پر نظر رکھنا ہوتا تھا، چنانچہ دیار بکری اور ابن الجوزی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ شام کے احبار یہود نے اس مقصد کے لئے خصوصی وسائل اور معلومات فراہم کر رکھی تھیں، جن میں اللہ کے شہید نبی حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ایک سفید جبہ بھی شامی احبار یہود کے پاس تھا جو ان بدبختوں نے اللہ تعالیٰ کے اس نبی کے خون میں ڈبو کر رکھا ہوا تھا اور ان کے زعم کے مطابق نبی منتظر کی آمد کے ہر بڑھنے والے قدم پر اس جبے میں سے خون کے قطرے گرنا تھے، چنانچہ جس رات حضرت عبداللہ پیدا ہوئے اس رات بھی اس جبے میں سے خون کے قطرے ٹپکے اور ماہرین علم نجوم احبار یہود کو اندازہ ہو گیا کہ آج رات نبی منتظر کے والد کی وادئ بطحاء میں ولادت ہو گئی ہے، اس لئے احبار یہود کا ایک گروہ ان کے قتل کی نیت سے مکہ پہنچا تھا مگر یہ معلوم کر کے بہت مایوس ہوئے کہ قریش کے مرد عزم و یقین عبدالمطلب بن ہاشم نے اپنے یکتائے روزگار عبداللہ کے تحفظ و سلامتی کے لئے زبردست انتظام کر رکھے ہیں! اس لئے وہ خائب و خاسر جہاں

سے آئے تھے وہیں لوٹ گئے! لیکن اس کے دو فوری فائدے ہوئے، ایک تو یہ ہوا کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے سعادت مند نو مولود عبداللہ کی سلامتی و تحفظ (سیکورٹی) کو مزید بہتر بنا دیا، دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ حضرت عبدالمطلب نے مختلف مواقع پر نبی منتظر کے بارے میں احبار یہود، رہبان نصاریٰ اور مروج مخفی علوم کے ماہرین سے جو کچھ سنا تھا اور جو معلومات جمع کی تھیں ان کی صحت اور حقیقت کے بارے میں ان کی رائے اور بھی پختہ ہو گئی تھی!

حضرت عبداللہ کی ولادت کے بعد اور انہیں ختم کر دینے میں ناکامی کے باعث یہود کے مذہبی پیشواؤں کی پریشانی و اضطراب میں بھی اضافہ ہو گیا، بائبل کی موسوی اور عیسوی پیشین گوئیوں اور احبار یہود کی اپنی فلکیات اور علم نجوم میں مہارت سے حاصل ہونے والی معلومات کے نتیجہ میں جہاں یہود کے غیظ و غضب اور بغض و حسد میں اضافہ ہو گیا تھا وہاں ان کے یہ خدشات بھی یقین میں بدل گئے تھے کہ اب وادئ بطحاء کے عربوں میں نبی منتظر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہر ہونے میں ایک ہی مرحلہ باقی رہ گیا ہے، اس لئے حضرت عبداللہ کے تعاقب کے لئے بھی یہودیوں نے تیزی اور شدت پیدا کر دی تھی، مکہ مکرمہ سے آتے جاتے مسافروں سے بھی وہ دریافت کرتے رہتے تھے، اگر کوئی فہم و فراست کا مالک بندہ انہیں جب یہ بتاتا کہ حضرت عبداللہ کی پیدائش سے جہاں وادئ بطحاء کی رونقوں میں اضافہ ہو گیا ہے وہاں حضرت عبدالمطلب بھی زیادہ ہشاش بشاش اور سرگرم نظر آنے لگے ہیں لیکن خود عبداللہ کے حسن و جمال اور چہرے کی چمک دمک نے بھی سب کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے، تو یہودی انہیں یہی بتاتے کہ یہ عبداللہ کی برکت نہیں بلکہ یہ دراصل نور محمدی، علی صاحبہ الصلاۃ والسلام، کی چمک دمک ہے! ابن اسحاق اور ابن ہشام سمیت اکثر سیرت نگار یہ بتاتے ہیں کہ مہتاب قریش حضرت عبداللہ کا حسن و جمال یوسف مصر کی یاد کو تازہ کرتا تھا، جس طرح عزیز

مصر کی عورت حسن یوسف کی اسیر ہو گئی تھی اور شغف و میلان نے اسے دیوانہ بنا دیا تھا پھر عزیز مصر کی بیوی کی اس دیوانگی اور شغف میں مصر کی دیگر عورتیں بھی اپنے ہوش و ہواس کھو بیٹھی تھیں (۱۱)، کچھ ایسی ہی کیفیت حضرت عبداللہ کو دیکھ کر قریش کی کچھ عورتوں پر بھی طاری ہو گئی تھی، لیکن جس طرح قدرت خداوندی نے اپنے نبی کی عفت و عصمت کے تحفظ کا سامان کر دیا تھا، اسی طرح من موہنی اور معصوم صورت والے مہتاب قریش عبداللہ بن عبدالمطلب کی خداداد طہارت و معصومیت اور سادہ طبیعت اور حسن کردار نے بھی قریش کی ان عورتوں کے لئے ایک سد سکندری کھڑی کر دی تھی، یہ قدرت کے نظام حکمت نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا کہ نور محمدی، علی صاحبہ الصلاۃ والسلام، اصلاب طاہرہ امینہ سے ارحام طاہرہ امینہ میں ہی منتقل ہوتا رہے، نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اپنے سلسلہ نسب کی اس طہارت کی ذمہ داری لینے پر اپنے رب کا شکر بجا لاتے تھے اور اس پر خوش بھی ہوتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ یہ طہارت نسب و صہر بلا شبہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم اور اس کی بے پایاں رحمت اور برکت ہے! (۱۲)

حضرت عبدالمطلب کے دس بیٹے (اور ایک قول کے مطابق بارہ بیٹے) تھے اور چھ بیٹیاں تھیں، یہ سب کے سب بچے باکمال اور بے مثال تھے، سب سے بڑا بیٹا بہت حوصلہ مند، جفاکش اور اطاعت گذار بیٹا تھا، چاہ زمزم کی دوبارہ کھدائی اور دریافت میں حارث نے اپنے والد گرامی کے لئے دستِ راست کا کام کیا تھا، حضرت حارث کے اس شرف و اعزاز میں عبدالمطلب کا اور کوئی بیٹا شریک و سہیم نہیں ہے، حضرت زبیر تو عربوں کی قوت و طاقت کا نشان تھے، اچھے اچھے پہلوانوں کو چت کر دیتے تھے، کسی میں ان کے مقابلہ کی ہمت اور جرأت نہ تھی، اسلام کے اولین سپہ سالار اعظم اور سید الشہداء حمزہ کی تو کیا بات ہے! یہی حال حضرت عباس کی خوبیوں، ہنرمندیوں اور اوصاف ستودہ کا ہے! مگر ان سب میں حضرت عبداللہ کی اپنی ہی ایک انفرادیت ہے

جس میں ان کے تمام کڑیل جوان اور گرانڈیل بھائیوں میں کوئی بھی شریک نہیں ہے، ان کی یہی انفرادیت کیا کم ہے کہ وہ عبدالمطلب کے گھرانے کے واحد بلکہ یکتائے روزگار عبداللہ ہیں جو ''عَبدُہٗ'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے والد گرامی بھی ہیں جو وجہ تخلیق کائنات ہیں اور رب العالمین کے رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی ہیں، اسلامی اندلس کے فقیہ و سیرت نگار ابو محمد علی بن احمد ابن حزم ظاہری (۳۸۴-۴۵۶ھ) کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ اپنی کتاب جمہرۃ انساب العرب میں عرب زعماء وقائدین کے متعلق صرف ایک جملہ میں تبصرہ کرتا ہے اور کوزہ میں دریا بند کر دیتا ہے، مثلاً حضرت عبدالمطلب کی شخصیت پر ایک جملہ میں یوں تبصرہ کرتا ہے (۱۳): ''و فیہ العمود و الشرف'' یعنی قریش کی عمارت کے ستون اور شرف واعزاز سب انہی میں ہیں، یہی ابن حزم حضرت عبداللہ کی شخصیت پر تبصرہ کے لئے صرف دو حرفی جملہ لکھتا ہے مگر اس میں بھی تمام کائنات اور تمام زمانے سمیٹ کر رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ: ''وَفِیۡہِ الشرفُ کُلُّہٗ'' یعنی تمام شرف واعزاز تو ایک انہی میں سمٹ آیا ہے۔

حالات یہ بتاتے ہیں کہ یہ عبداللہ جنہیں ہم یکتائے روزگار اور عبدالمطلب کے گھرانے کا فرد فرید بھی کہتے ہیں، انہیں اپنے والد کے قلب وجگر میں ایک چہیتے بچے یا pet-child کی حیثیت حاصل تھی، عبدالمطلب انہیں کھلاتے بھی تھے اور ان سے کھیلتے بھی تھے کیونکہ عبداللہ ہی ان کا چہیتا اور سب سے پیارا بچہ تھا! امام سہیلی سیرۃ ابن ہشام کی شرح الروض (۱۴) الانف میں شاعر ہجرتِ حبشہ حضرت عبداللہ المبرق کے دادا قیس بن عدی سہمی کے تذکرہ کے ضمن میں بتاتے ہیں کہ ''وَکَانَ جَدُّہٗ قَیۡسُ اَعَزُّ قُرَیۡشٍ فِیۡ زَمَانِہٖ'' (یعنی ان کے دادا قیس اپنے وقت میں قریش کے سب سے زیادہ معزز قائد تھے) چنانچہ حضرت عبداللہ کو کھلانے بلکہ ان سے کھیلنے اور دل بہلانے کے لئے حضرت عبدالمطلب انہیں اٹھائے ہوئے اور انہیں گدگداتے ہوئے یہ رجزیہ کلام

بولتے جاتے تھے(۱۵):

كَأَنَّهٗ فِي الْعِزِّ قَيْسُ ابن عَدِيٍّ فى دار قَيْسٍ النَّدِيِّ يَنْتَدِيْ

یعنی گویا میرا بیٹا عبداللہ شرف واعزاز میں قیس بن عدی ہے(یعنی قریش کا سب سے بڑے شرف اور اعزاز والا ہے)!

حضرت عبدالمطلب کے کسی بھی اور بیٹے کے حوالے سے (سوائے ان کے پوتے حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) آپ ایسا منظر اور کہیں بھی نہیں دیکھ پائیں گے! اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی نظر میں اپنے بیٹے عبداللہ کی کیا اہمیت تھی یا ان کے دل میں نبی منتظر دُرِ یتیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی کا کیا مقام تھا!

صرف یہ عبداللہ ہی قریش کے مرد عزم ویقین سردار عبدالمطلب کے قیمتی وقت میں سے کچھ لمحات اپنے لئے مختص کروالیتے تھے اور اس دوران میں ان سے راز و نیاز کی باتیں کرتے ہوئے بھی دکھائی دیتے تھے، کئی ایک دوسرے سیرت نگاروں کی طرح علامہ حسین بن محمد دیار بکری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیفِ لطیف تاریخ الخمیس فی احوالِ انفس نفیس میں ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کی بعض کرامات جو انہیں خود نہیں سمجھ میں آتی تھیں ان کے بارے میں اپنے والد گرامی حضرت عبدالمطلب سے دریافت کرتے رہتے تھے اور والد انہیں تسلی اور بشارت دیتے رہتے تھے، حضرت عبداللہ انہیں بتاتے تھے کہ جب کبھی میں جبل ثبیر پر جاتا ہوں تو میرے صلب سے اٹھتی ہوئی ایک نور کی چمک دکھائی دیتی ہے جو دو حصوں میں بٹ جاتی ہے، پھر وہ دونوں حصے بادلوں کو چیر کر نکل جاتے ہیں اور فضاؤں میں غائب ہو جاتے ہیں پھر واپس میرے پاس آجاتے ہیں اور یہ تمام کیفیت صرف ایک لمحہ کے اندر اندر یہ سفر طے کرلیتی اور ختم ہو جاتی ہے! حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے کی تسلی اور خوشی کے لئے فرماتے (۱۶):

اَبْشِرْ يَا بُنَيَّ! فانی أرجو أن يخرج الله من ظهرك المستودع المكرم فَاِنَّا قد

وعدنا ذلك واني رأيت قبلك رؤيا تدل على أنه يخرج من ظهرك أكرم العالمين! یعنی میرے بیٹے! خوشخبری ہو آپ کو! مجھے یہ امید ہے کہ آپ کی پشت سے وہ معزز امانت ظاہر ہوا چاہتی ہے کیونکہ ہم (اولاد اسماعیل سے تورات میں) یہ وعدہ کیا جا چکا ہے، میں نے خود بھی تجھ سے پہلے خواب میں ایسا ہی دیکھا تھا (جیسا کہ آپ کو پیش آ رہا ہے) یہ سب کچھ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی پشت سے ایک ایسی ہستی جنم لینے والی ہے جو تمام جہانوں سے مکرم و معزز ہو گی! (گویا انہیں اپنے پوتے کے منصب نبوت پر فائز ہونے کا یقین تھا!)

امید ہے آپ بھی، حضرت عبدالمطلب سلام اللہ علیہ کے اس حیرت انگیز مگر دلچسپ موقف کے سلسلے میں، مجھ سے اتفاق فرمائیں گے کہ وہ مرد عمل وجدوجہد ہوتے ہوئے اپنے چہیتے فرزند اور خانوادہ کے فردِ فرید کو شادی سے قبل نہ تو اپنے کسی سفر تجارت میں ساتھ لے جاتے ہوئے نظر آتے ہیں، نہ اسے کسی مشقت میں ڈالتے دکھائی دیتے ہیں اور نہ اکیلے کسی قافلہ تجارت کے ساتھ ارسال فرماتے ہیں؟ کیا ان کا نور بصیرت یہ دیکھ رہا تھا کہ ان کے گھرانے کا یہ نرم و نازک عبداللہ اس کے لئے پیدا ہی نہیں ہوا؟ یا ان کا سفرِ زندگی بہت مختصر ہے بلکہ اس قدر مختصر ہے کہ زندگی کے عین نصف النہار اور عنفوان جوانی میں ہی یہ مہتاب قریش غروب ہو جانے والا ہے؟ یا یہ کہ وہ اس کاروبار زندگی اور قریش کے قافلوں کے اسفار تجارت کی سکت ہی نہیں رکھتے تھے؟ میرے نزدیک ان تمام سوالوں کا جواب نفی میں ہے کیونکہ میں حضرت عبدالمطلب کو نہ کاہن و عراف مانتا ہوں اور نہ وقائع غیب پر نظر رکھنے والا نبی اور رسول کہتا ہوں! اور میرے اس موقف کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قران السعدین کے بعد اور بنو ہاشم اور بنو زہرہ کے ایک مرد اور ایک عورت کے ملاپ کے بعد یعنی دولہا اور دلہن کی چند روزہ ازدواجی زندگی گذر جانے اور ملاپ کے بعد بغیر کسی جھجک کے وہ

حضرت عبداللہ کو قریش کی رحلۃ الصیف یا گرمائی سفر تجارت کے قریشی قافلے کے ساتھ گھر سے بے دھڑک نکلنے اور شام جانے کی بھی اجازت فرما دیتے ہیں! اگر آپ سمجھ گئے ہیں تو بہت ہی اچھی بات ہے کہ آپ بھی فکر اور سوچ میں میرے ساتھ ساتھ ہی چل رہے ہیں! دراصل حضرت ہالہ بنت وہیب سے اپنے نکاح اور سیدہ بنی زہرہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا، کے ساتھ مہتاب قریش یکتائے روزگار عبداللہ کی شادی کے بعد نبوت وحکومت کے بنو ہاشم میں آ جانے کا انہیں تسلی بخش یقین ہو گیا تھا! قریش کے مرد عزم ویقین حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کو یہ تسلی ہو گئی تھی کہ ہالہ کی آغوش کو حمزہ بن عبدالمطلب آ کر آباد کریں یا ان کے اندازہ کے مطابق آمنہ زہری سلام اللہ علیہا، کا لخت جگر محمد اور احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن کر دنیا کو آباد کرنے، رنگ دینے اور سجا کر گہوارہ امن بنا دینے کے لئے تشریف لے آئیں! بات بننا تھی سو وہ بن گئی! اللہ کے فضل وکرم سے بنو ہاشم کے ساتھ کیا گیا توراتی وعدہ بھی پورا ہو گیا اور سیدنا مسیح، علیہ السلام، کی بشارت بھی حقیقت کا روپ دھار کر ہی رہے گی، اسی لئے تو قریش کے مرد عزم ویقین نے حضرت عبداللہ کو شام کے سفر تجارت کے لئے بھی بھیج دیا اور واپسی پر بنو عدی بن نجار کے نخلستانوں کی کھجوریں بھی یہود سے ڈرے بغیر خریدنے کے لئے بھی کہہ دیا!! اسی لئے تو حمزہ کی پیدائش پر وہ اتنے خوش نہ دکھائی دیئے جس خوشی کا مظاہرہ عبداللہ کے در یتیم کی پیدائش پر ہوا۔ ہالہ کے بیٹے کا نام محمد رکھا نہ احمد رکھا مگر یہ جانے بغیر کہ سیدہ آمنہ ہاتفِ غیبی کی آواز پر یقین کرتے ہوئے اپنے لخت جگر کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پہلے ہی رکھ چکی ہیں چھوٹتے ہی اپنے پوتے کا نام نامی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھ دیا اور جب آمنہ نے بتایا کہ میں تو ان کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھ بھی چکی ہوں تو فرمایا کہ آمنہ تیرا احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میرا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی تو ہیں (۱۷)! لیکن قدرت کا یہ کرشمہ تب ہی ظہور میں آتا ہے جب دل کے نور بصیرت کو نیک نیت کی چمک دمک پوری قوت کے

ساتھ زبان پر لے آئے! یہ ہے شان قریش کے مرد عزم و یقین عبدالمطلب کی اور یہ ہے مقام زندگی مہتابِ قریش عبداللہ بن عبدالمطلب کا! یہ زندگی اگرچہ بہت مختصر تھی مگر بہت بڑی تھی! حضرت عبداللہ مہتاب قریش بن کر آئے تھے مگر طلوع آفتاب کی بشارت دے کر خود نصف النہار پر ہی غروب ہو گئے! گویا باپ عبداللہ صبح کا ستارہ تھا جو چمک کر اپنے فرزند ارجمند عَبْدُہٗ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آفتاب رسالت کی بشارت دے کر روپوش ہو گیا! سلامتی اور رحمت ہو عبداللہ پر اور درود وسلام ہو حضرت عبدہٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی زندگی کا وہ لمحہ تو بڑا ہی رقت انگیز، روح پرور اور دل ہلا دینے والا بھی ہے کہ جب وہ اپنے والد گرامی کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنا ماتھا قربان گاہ پر ٹیک دیتے ہیں (۱۸)، قریش کے مرد عزم و یقین کے ہاتھ میں چھرا ہے، اپنا محبوب ترین اور چہیتا فرزند سر کٹانے کے لئے تیار ہے، حضرت عبداللہ کی سب بہنیں باپ کے سامنے فریاد کناں ہیں، مہتاب قریش کو ریزہ ریزہ ہونے سے بچانے کے لئے تمام قبائل قریش سراپا احتجاج ہیں مگر نہ تو بیٹا خوف زدہ یا پریشان ہے اور نہ باپ کے اٹل فیصلے یا عزم مصمم میں کوئی لغزش دکھائی دیتی ہے! سب بہنوں کی التجا ہے کہ ان کے یوسفِ ثانی کو ان سے جدا کر کے ان کی دنیا کو تاریک نہ بنایا جائے! قریش کے سردار کہہ رہے ہیں کہ عبدالمطلب! لخت جگر کو ذبح کر کے ایسی رسم نہ ڈالو جس پر عمل کرتے ہوئے قریش کے باپ اپنے بیٹوں کی گردنوں پر چھریاں چلانے لگیں! اس کی آئندہ ذمہ داری اور بوجھ بھی تمہاری گردن پر ہی ہو گا مگر حضرت عبدالمطلب کا جواب یہ ہے کہ یہ میرا فیصلہ نہیں بلکہ قدرت خداوندی سے قرعہ فال عبداللہ کے نام نکلا ہے! آخر نذرانہ دے کر اور قربانی سے اعراض کر کے میں بھی تو خدا کی نظر میں گنہگار ٹھہرتا ہوں! اس کا کیا حل اور کیا جواب ہے؟ سب لوگ یک زبان ہو کر بول اٹھتے ہیں: فدیہ! آخر خلیل اللہ کے فرزند ذبیح اللہ کا فدیہ بھی تو عالم ملکوت سے

آیا تھا نا! آپ بھی تو دیت کے دس اونٹ بطور فدیہ ادا کر سکتے ہیں؟ یہ ہم کہتے ہیں، ہمارا مطالبہ ہے، یہ آپ کے لئے جائز اور ممکن بھی ہے آپ ایسا کر سکتے ہیں!

حضرت عبدالمطلب قدرے نرم پڑ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اچھا تو اب پھر قرعہ اندازی کا مقابلہ عبداللہ اور دیت کے اونٹوں کے درمیان ہوگا، مگر پھر بھی قرعہ فال تو عبداللہ کے نام کا ہی نکلتا ہے! دس دس اونٹ بڑھاتے ہوئے تعداد نوے پر جا پہنچتی ہے مگر قرعہ فال ہر بار حضرت عبداللہ کے نام کا ہی نکلتا ہے! وادئ بطحاء میں ایک ہنگامہ برپا ہے، زمین کانپ رہی ہے، سب دل بھی لرزاں اور فریاد کناں ہیں بالآخر قرعہ فال عبداللہ کے بجائے سو اونٹوں کے حصے میں آتا ہے! سب سینوں سے ٹھنڈی سانس نکلتی ہے لوگوں کا غم اور پریشانی یک لخت خوشی اور سکون میں بدل جاتی ہے! سب خلق خدا کی زبان پر ہے: عبداللہ ذبیح اللہ! عبداللہ ذبیح اللہ! تب پوری وادی میں ایک تہلکہ سا مچ جاتا ہے! آج خلیل اللہ اور ذبیح اللہ کی یاد بھی اس طرح تازہ ہوگئی ہے جس طرح عبدالمطلب کی ضرب کاری سے چاہ زم زم دوبارہ دریافت ہوا تھا تو سیدہ ہاجرہ، ننھے اسماعیل اور حضرت جبرائیل امین کی یاد بھی تازہ اور یادگار پھر سے زندہ ہو گئی تھی۔

فرزندِ ذَبِیْحَیْن والی بات

رسول اولین وآخرین، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کا فرمانا یہ ہے کہ میں دوایسی ہستیوں کا فرزند بھی ہوں (۱) جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں اللہ رب العزت کی خوشنودی و رضا کے لئے اور اپنے اپنے والد کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا، ان دونوں ہستیوں نے اپنے اپنے والد کے خواب کو حقیقت کا روپ دینے کے لئے، بلا چون و چرا، ان کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے ذبح ہونے کے لئے اپنی گردن جھکا دی تھی، ان دو ہستیوں میں سے ایک تو سید نا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام ہیں جو تمام عدنانی عربوں کے جد اعلیٰ ہیں بلکہ قحطانی عربوں کے جد اعلیٰ بھی (۲) وہی ہیں، یوں گویا یمن میں آباد ہونے والے جنوب کے عرب ہوں یا شمال میں سرزمین حجاز کے عرب ہوں، سب کے سب سید نا اسماعیل بن ابراہیم، علیہما السلام، کی اولاد سے ہیں اور وہ گویا جد العرب کلھم ہیں، ان کے والد سید نا خلیل اللہ علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے پلوٹھی کے فرزندِ عزیز اسماعیل، علیہ السلام، کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قربان کر رہے ہیں، نبی کا خواب بھی فیضان وحی اور حکم ربانی کے مترادف ہوتا ہے، اس لئے باپ نے جب بیٹے کو اپنا خواب سنایا تو بیٹے نے صبر و شکر کے ساتھ سر تسلیم خم کر دیا، اس لئے وہ ذبیح اللہ کہلائے۔

ایسی ہی دوسری ہستی عبدالمطلب کے گھرانے کے یکتائے روزگار "حضرت عبداللہ" ہیں، انہوں نے بھی وقت آنے پر اپنے والد گرامی حضرت عبدالمطلب، سلام اللہ علیہ، کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تھا اس لئے وہ بھی ذبیح اللہ کہلانے کے حقدار مانے گئے ہیں، البتہ یہ بات واضح ہے کہ ایک تو حضرت عبدالمطلب بلاشبہ اہل اللہ میں

سے تو تھے مگر وہ نبی یا رسول نہیں تھے، پھر یہ بات بھی ہے کی حضرت عبداللہ کو ذبح کے لئے پیش کرنا والد کے خواب کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ ایک مشکل وقت میں جب ان کے صرف ایک اکیلے فرزند مددگار اور معاون تھے اور وہ تھے حضرت الحارث بن عبدالمطلب، جن کی معاونت سے والد نے اپنی مشکل تو سر کر لی تھی مگر اس موقع پر یہ خیال آیا تھا کہ کاش میرے بیٹے زیادہ ہوتے تو میری مشکل اور بھی آسانی سے سر ہو جاتی پھر معاً یہ خیال آیا کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ تعداد دس کر دے تو ان دس میں سے کسی ایک کو میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دوں گا، قدرت نے ان کی تمنا پوری کر دی اور نذر پوری کرنے کا موقع آ گیا تو قرعہ اندازی ہوئی جس میں عبدالمطلب کے گھرانے کے ایک ہی ''عبداللہ'' کا نام نکل آیا، اس موقع پر حضرت عبداللہ نے بھی والد کی نذر کی تکمیل اور حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تو سنت خلیل اللہ اور ذبیح اللہ علیہما السلام کی یاد تازہ ہو گئی اور حضرت عبداللہ بھی امت مسلمہ کی نظر میں ذبیح اللہ قرار پائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد اعلیٰ سیدنا اسماعیل علیہ السلام تو بلاشبہ از روئے قرآن کریم ذبیح اللہ ہیں (۳) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی سنت خلیل و ذبیح اللہ کی یاد تازہ کرنے کے باعث ذبیح اللہ (اللہ کی راہ میں قربان ہونے والے) کہلانے کے حقدار قرار پائے اسی لئے یہ فرمانِ مصطفیٰ، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بالکل برحق ہے کہ ''اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ'' (میں اللہ کی راہ میں قربان ہونے والی دو ہستیوں کا فرزند ہوں) یہ بھی ایک حسن اتفاق ہے جو قدرت خداوندی کا کرشمہ بھی ہے۔ (۴)

یہ تو ہے اجمال جس سے بات مبہم اور وضاحت کی محتاج رہتی ہے، چونکہ اس بات کا تعلق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مفاخرت و مباہات سے ہے اور اس کا تعلق ان کے والد گرامی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے شرف و امتیاز سے بھی ہے اس لئے اس داستان حنیفیت کی کچھ توضیح و تشریح کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے! اسی ضمن میں کچھ

سوالات ہیں جن کے مفصل اور تسلی بخش جوابات سے ہی اس ابہام کی وضاحت اور اس اجمال کی تفصیل بھی وابستہ ہے۔

پہلا سوال یہ ہے کہ کیا حضرت عبدالمطلب کا نذر ماننا معتبر کتب تراجم، سیرت اور تاریخ سے ثابت ہے اور یہ بھی کہ نذر ماننے کا پس منظر کیا تھا؟

تقریباً تمام معتبر اور مسلم کتبِ سیرت، تاریخ اسلام اور تراجمِ رجال میں حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کی اس نذر کا ذکر ہے، انہوں نے ایک مشکل وقت میں اپنے ایک خواب کو حقیقت کا روپ دینے کے لئے قریش مکہ کے تمام لوگوں سے مدد مانگی تھی مگر اول تو کوئی ان کے خواب کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوا اور اکثر نے اسے خواب پریشان قرار دیا اس لئے سوائے ان کے بڑے، اور اس وقت اکلوتے بیٹے کے، کسی نے بھی ان کی مدد نہ کی، اس لئے انہوں نے حسرت بھری دعا کے ساتھ یہ نذر مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دس (یا بارہ) بیٹے عطا فرمائے تو میں ان میں سے کسی ایک کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کروں گا، ایک مدت کے بعد جب ان کی یہ منت پوری ہو گئی تو انہوں نے سنت ابراہیمی کو تازہ کرنے کے لئے ایک بیٹے کو قربان کرنے کا فیصلہ کیا، لکھا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور انہیں اپنی نذر سے آگاہ کیا تو سب نے یک زبان ہو کر سر تسلیم خم کر دیا اور فیصلہ اپنے والد پر چھوڑ دیا کہ جسے وہ چاہیں اپنے رب کی خوشنودی کے لئے ذبح کر دیں! والد کے لئے یہ بھی ایک امتحان تھا، دانا و بینا باپ میں بھی یہ ہمت نہ تھی کہ وہ ایک سے ایک کڑیل جوان کو خود پکڑ کر اس کے گلے پر چھری پھیر دیں، اس لئے معاملہ تقدیر خداوندی کے سپرد کرتے ہوئے قرعہ اندازی کا حکم دیا اور قرعہ فال عبدالمطلب کے گھرانے کے یکتائے روزگار بیٹے عبداللہ کے نام کا نکلا!

اس کا پس منظر یہ ہے کہ چاہِ زم زم، جو نتیجہ تھا جبرائیل امین، علیہ السلام، کے پر مارنے

کا، جس سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے اپنے پر مبارک سے زمین کا سینہ چیر کر بیت اللہ کے جوار میں پیاس سے بلکتے اور زمین پر ایڑیاں رگڑتے ہوئے ننھے اسماعیل، علیہ السلام، کے لئے پانی فراہم کر دیا، وہی چاہِ زم زم جو اشرار بنی آدم کے جرائم اور انسانیت دشمنی کے شیطانی ہتھکنڈوں کے سبب نیست و نابود ہو چکا تھا، لوگوں کی زبانوں پر صرف چاہِ زم زم کا نام باقی رہ گیا تھا مگر اصل محل وقوع بھی کسی کو معلوم نہ تھا، لوگوں نے اپنے اپنے اندازہ سے بیت اللہ کے آس پاس کنویں کھودنے کی کوششیں کی تھیں مگر کسی کنویں سے آب زم زم نہ نکل سکا تھا، ہر کنویں کا پانی ایسا ہی کھاری اور کڑوا نکلتا تھا، جیسے آج بھی مکہ مکرمہ کے مختلف کونوں کھدروں میں، آس پاس کے لوگ کنویں تو لگاتے ہیں مگر کہیں سے بھی "آب زم زم" نہیں میسر آتا، اس لئے لوگ کل کی طرح آج بھی اپنے ان کنووں کو پاٹ دیتے ہیں! (تاریخ بعض ایسے نخریلے ملحدین کے نام بھی بتاتی ہے جو مقدس و مطہر صحت مند آب زم زم سے محض اس لئے ناک بھویں چڑھاتے تھے کہ اس سے بنو اسماعیل اور بنو ہاشم کے تقدس اور عظمت کی بو آتی ہے، ایسا ہی ایک اموی جرنیل اور گورنر خالد بن عبداللہ قسری (۵) بھی ہوا ہے، ایک اور اموی جرنیل اور گورنر حجاج بن یوسف نے پر امن بیت اللہ میں پناہ لینے والے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لئے بیت اللہ شریف پر منجنیق سے بمباری کرنے کا بھی حکم دیا تھا)

زمانہ قدیم سے اور خصوصاً قُصَیّ بن کلاب بن مرہ کے زمانہ کے بعد سے، قریش مکہ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے آنے والوں کو اللہ کے مہمان سمجھ کر کھانے پینے کا سامان فراہم کیا کرتے تھے، لیکن زم زم کے مفقود ہو جانے کے باعث اچھا پانی فراہم کرنا بہت بڑا مسئلہ تھا، سقایت، رفادت یعنی پانی مہیا کرنے اور کھانا کھلانے کی ذمہ داری لینا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کے

کندھوں پر آن پڑی تو انہیں بڑی فکر ہوئی، ان کی تمنا تھی اور اکثر دعا فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی طرح آب زم زم تک رسائی آسان فرما دے، قدرت خداوندی بھی دیکھ رہی تھی کہ اب عبدالمطلب کے گھرانے میں ایک ہی عبداللہ کو بھی ''ذبیح اللہ'' کے مرتبہ پر فائز کرنے کا وقت آ گیا ہے تا کہ عبدہٗ بن عبداللہ ملت ابراہیمی کے احیاء کے ساتھ ساتھ توحید ربانی کا غلغہ بھی بلند فرما دیں اور بت پرستی پر آخری اور فیصلہ کن ضرب مؤمن سے اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور توحید خالص کا ڈنکا بھی بجا دیں، چنانچہ سوتے میں حضرت عبدالمطلب نے اشارہ پا کر چاہِ زم زم کھودنے کا عزم کیا تو قریش کے سرداروں نے تمسخر اڑانا شروع کر دیا اور سب نے کہا کہ اس خواب پریشان کا کوئی نتیجہ نہیں نکلنے والا! اس لئے تو جان اور تیرا خواب! ہمیں معاف رکھ! اب عبدالمطلب کا ساتھ دینے والا صرف ان کا اکلوتا بیٹا الحارث رہ گیا تھا، تب حضرت عبدالمطلب کو یہ خیال آیا کہ آج اگر حارث کے ساتھ میرے اور بیٹے بھی ہوتے تو کسی کی محتاجی نہ رہتی! اس موقع پر انہوں نے یہ نذر مانی تھی کی اگر اللہ تعالیٰ مجھے دس بیٹے عطا فرمائیں تو میں ان میں سے کسی ایک کو اس کی راہ میں قربان کر دوں گا! (٦)

دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک بیٹے کی قربانی دینے کا خیال حضرت عبدالمطلب کے ذہن میں کیوں اور کیسے پیدا ہوا؟

اللہ جل جلالہ تو قربانی یا دوسری مالی و بدنی عبادات سے مستغنی و بے نیاز ہیں، بلکہ وہ ذات پاک تو جانوروں کی قربانی سے بھی بے نیاز ہے، وہ تو صرف انسان کے دلی جذبہ، تقویٰ اور نیت کے خلوص کو پسند فرماتا ہے (٧)، مگر یہ تو ابن آدم ہے جو اللہ تعالیٰ کا تقرب ڈھونڈتا رہتا ہے اور اس کی رضا و خوشنودی کا طلبگار رہتا ہے اور اس تقرب و رضا کے وسائل میں، ایک وسیلہ قربانی بھی ہے، مگر اللہ جل شانہ نے کسی نبی، کسی ولی اور اپنے کسی محب کو انسانی قربانی کا موقع کبھی نہیں دیا، یہ تو صرف اولاد آدم ہے جو نہ

صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر بلکہ بتوں کے نام پر بھی انسانوں کی قربانی کو قابل فخر سمجھتی رہی ہے، اسی لئے دیگر اقوام کی طرح سامی اقوام میں بھی انسانی جان کی قربانی کا رواج رہا ہے، پلوٹھی کے بیٹے کی قربانی سامی اقوام کی ایک ریت اور روایت رہی ہے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے خواب کو وحی اور حکم ربانی سمجھتے ہوئے اپنے سب سے بڑے پلوٹھی کے بیٹے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ، علیہ السلام، کو جب قربانی کے لئے لٹا دیا تو اللہ تعالیٰ نے بیٹے کی گردن پر چھری چلانے سے منع فرما دیا اور دلوں کے بھید جاننے والے علیم وبصیر نے فرمادیا کہ میں نے تم باپ بیٹے دونوں کی نیت کو دیکھ لیا ہے، اب اس کی جگہ ایک دنبہ ذبح کر دیجئے وہی کافی ہے! یہی سامی روایت اور سنت ابراہیمی حضرت عبدالمطلب کے پیش نظر تھی اور وہ اسی کی یاد تازہ کرنا چاہتے تھے۔

تیسرا اور اہم بلکہ موزوں ترین اور بنیادی سوال یہ ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب کے اس خواب سے اور پھر ان کی اس نذر سے سنت ابراہیمی کی یاد تازہ ہو رہی ہے تو اس سنت میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے دو فرزندوں۔ سیدنا اسماعیل اور سیدنا اسحاق علیہما السلام۔ میں سے کس کو اس سنت میں شریک سمجھا جائے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ ان دونوں میں سے "ذبیح اللہ" ہونے کا تاج کس کے سر سجتا ہے یعنی والد کے حکم پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے اپنی گردن پیش کرنے کا شرف کس کو حاصل ہے؟

اس میں شک نہیں کہ اس ضمن میں تاریخی روایات اور آراء میں اختلاف موجود رہا ہے، یہ اختلاف علمائے اہل کتاب۔ یہود ونصاریٰ۔ اور مسلمانوں کے درمیان بھی ہے یعنی ایک مسلمانوں کا موقف ہے (اور اس موقف کے حق میں بہت قوی اور قطعی دلائل بھی موجود ہیں، جیسا کہ ہم ابھی دیکھیں گے) کہ یہ شرف سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ہی حاصل ہے، جبکہ یہودی اور مسیحی علماء کا دعوی یہ ہے کہ "ذبیح اللہ" حضرت اسحاق علیہ السلام

ہیں، یہود کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تو ایک لونڈی (حضرت ہاجرہ (یا ہاجر) کی اولاد ہیں اس لئے وہ اس شرف کے مستحق ہی نہیں ہو سکتے جبکہ حضرت اسحاق علیہ السلام سارہ کے بطن سے ہیں جو ایک شہزادی تھی، ان کی دوسری دلیل تورات ہے جس کی عبارت میں تحریف ہو چکی ہے اور اسحاق علیہ السلام کی قربانی کی جو کہانی تورات سے ماخوذ ہے وہ کافی حد تک بچکانہ اور مضحکہ خیز بھی لگتی ہے! (۸)

قطع نظر اس کے کہ اہل اسلام میں سے بعض کی رائے میں یا تو یہ شرف صرف اسحاق کو حاصل ہے جبکہ بعض کی رائے یہ ہے کہ دونوں -حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق- ذبیح اللہ ہیں، ایک کے ساتھ تو یہ واقعہ سرزمین حجاز میں پیش آیا جبکہ دوسرے -حضرت اسحاق کو- قربانی کے لئے کہیں سرزمین شام یا فلسطین میں پیش کیا گیا ہوگا، تاہم یہ آراء معتبر مصادر (۹) میں نہیں آئیں اس کے برعکس مسلمان اہل علم کے نزدیک ذبیح اللہ ہونے کا شرف صرف سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ، علیہ السلام کے حصے میں ہی آتا ہے اور ان کے دلائل یہ ہیں:

(۱) سامی اقوام میں قربانی کا مستحق ہمیشہ سب سے بڑا اور پلوٹھی کا بیٹا ہوتا تھا، اور اسماعیل، علیہ السلام، سب سے بڑے بھی ہیں اور پلوٹھی کے بیٹے بھی ہیں۔

(۲) یہ کہنا درست نہیں کہ حضرت ہاجرہ، علیہا السلام، لونڈی تھیں، وہ دراصل مصر کے شاہی خاندان سے تھیں اور بادشاہ نے انہیں خدمت کے لئے حضرت سارہ کے سپرد کر دیا تھا، خادمہ تھیں اور وہ بھی حضرت سارہ کی، خادمہ کو لونڈی کہنا درست ہی نہیں!

(۳) بالفرض اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک لونڈی کی اولاد تھے بھی تو یہ بات ان کے قربانی کے لئے پیش کئے جانے اور ذبیح اللہ ہونے کا شرف پانے میں رکاوٹ نہیں بن سکتی کیونکہ سامی اقوام سمیت دنیا بھر کی دیگر اقوام میں بھی قربان ہونے کے لئے اور باپ کا وارث بننے کے لئے لونڈی کے پیٹ سے ہونا کوئی مانع یا رکاوٹ نہیں تھی، روم

و فارس کے تو کتنے ہی شہنشاہ۔ تھے جو لونڈیوں کی اولاد ہوئے ہیں، تو نبی کی اولاد خواہ لونڈی کے بطن سے ہی کیوں نہ ہو، اس کی قربانی کا اہل ہونے میں رکاوٹ کیسے ہوسکتی ہے!

(۴) یہودی ایک نسل پرست قوم ہیں جو برصغیر کے برہمن کی طرح نسلی غرور کا شکار ہیں، وہ تو آج بھی خود کو چنی ہوئی قوم قرار دیتے ہیں مگر عربوں کو لونڈی کی اولاد گردانتے ہیں! یہ رنگ و نسل پرستی باطل اور قابل مذمت روش ہے، یہودی تو ازراہ حقارت اسلام کو بھی ہاجرہ ازم (Hagarianism) قرار دیتے ہیں!

(۵) ہمارے نزدیک اس دعوے کی سب سے بڑی اور ناقابل شکست دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب عزیز قرآن کریم صراحت کے ساتھ سیدنا اسماعیل، علیہ السلام، کو ذبیح اللہ قرار دیتا ہے بلکہ حضرت اسحاق سے بڑا ہونے کا بھی بصراحت اعلان کرتا (۱۰) ہے۔

(۶) جس تسلسل و تواتر سے اہل عرب نے اور پھر اسلام کے بعد پوری امت مسلمہ نے سنت ذبیح اللہ کو زندہ رکھا ہوا ہے اور یہودیوں کو تو حضرت اسحاق علیہ السلام کی قربانی کا خواب بھی کبھی نہیں آیا، اس سے سچ اور جھوٹ کا واضح ہونا بھی کچھ مشکل نہیں ہے۔

لیکن ان اختصارات سے بات کھل کر واضح نہیں ہوتی اور ایک گونا ابہام باقی رہتا ہے اس لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم، علیہ السلام، کا پورا قصہ ہمارے سامنے ہوتا کہ حضرت اسماعیل، علیہ السلام، کا ''ذبیح اللہ'' ہونے کے استحقاق کی یقینی حیثیت بھی مسلم ہوجائے لیکن ہم نہ تو انبیائے کرام کے درمیان تفریق کے قائل ہیں اور نہ کسی کی عظمت یا شان میں کمی کی گستاخی کو روا رکھتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر نبی احترام کے ساتھ ساتھ اطاعت کا بھی حقدار ہوتا ہے، ہم نہ تو حضرت اسحاق، علیہ السلام، کے ذبیح اللہ ہونے کا انکار کر کے ان کی تنقیص گوارا کر سکتے ہیں اور نہ کسی کا دل دکھانے کی جسارت کے قائل ہیں، اسی طرح سیدنا اسماعیل، علیہ السلام، اگر حقیقت واقعی کے طور پر ذبیح

اللہ ثابت ہوتے ہیں تو انہیں مان کر کسی کو نیچا بھی نہیں دکھانا چاہتے، سچائی ہر حال میں سچائی ہے، نہ چھپ سکتی ہے نہ مٹ سکتی ہے، یہ تو ایک علمی بحث ہے جس کی اساس صرف دلیل اور ثبوت پر موقوف ہوتی ہے، اس لئے ہماری اس علمی گفتگو کا مقصد صرف حقیقت شناسی اور حق رسی ہے اور وہ بھی قرآن کریم اور دیگر معتبر اور مسلم مآخذ و مصادر کی بنیاد پر ہوگا۔

قرآن کریم میں قصہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح قصہ ابراہیم علیہ السلام بھی مفصل، مدلل اور تکرار و تنوع کا رنگ لئے ہوئے ہے، اپنے والد اور اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ حضرت ابراہیم کا مکالمہ، نمرود سے مباحثہ اور نار نمرود کے گلزار بن جانے اور اس سے نجات پا کر اپنے وطن سے ہجرت تک کے واقعات کو ہم نہیں چھیڑیں گے، بس صرف حضرت سارہ سے شادی کے بعد سے لے کر تعمیر کعبہ اور قربانی تک کا سفر ابراہیمی زندگی ہمارے زیر نظر ہوگا مگر وہ بھی ممکن حد تک اختصار کے ساتھ۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ قصہ ابراہیم کے ضمن میں اسلامی مصادر اور تورات کے بیان میں تضاد پایا جاتا ہے بلکہ تورات کے داخلی بیانات بھی باہمی تصادم اور تضاد کا شکار ہیں، مثلاً حضرت سارہ پر دست درازی کرنے والا بادشاہ فرعون مصر تھا یا ملک جار (جارڈن؟) کا ابی ملک نامی بادشاہ تھا؟ حضرت ہاجرہ کا تعلق مصر سے تھا یا ملک جار سے؟ اور ہاجرہ اگر لونڈی تھیں تو وہ فرعون کی ملکیت تھیں یا مُلکِ جارڈن کے ابی ملک کی (۱۱)؟ بہر حال تورات تورات ہے اسے کوئی کیا کہے اور کیسے کہے؟ تورات کی رو سے تو حضرت اسحاق کی قربانی بھی بیر سبع کے پاس کسی پہاڑ پر دی جا رہی ہے اور حضرت ہاجرہ بھی اسی بیر سبع کے آس پاس (معاذ اللہ!) آوارہ (غالباً ماری ماری زیادہ مناسب ہوتا) پھر رہی ہیں اور ان کا فرزند، اسماعیل، علیہ السلام، جو توراتی بیان کے مطابق کچھ دیر پہلے اپنی سوتیلی ماں حضرت سارہ اور ان کے بیٹے کو دیکھ کر

''ٹھٹھے مارتا تھا'' اسی سانس میں بتایا جا رہا ہے کہ ماں نے اسے بھوکا پیاسا ایک درخت کے نیچے ڈال رکھا ہے اور چند سطر بعد ہی ماں بیٹے کا نقشہ، لگتا ہے کسی بے ادب اور متعصب یہودی کی زبان میں، یوں کھینچا جاتا ہے (۱۲):

''تب ابرام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی مشک لی اور اسے ہاجرہ کو دیا بلکہ اس کے کندھے پر دھر دیا اور لڑکے کو بھی اس کے حوالے کر کے اسے رخصت کر دیا، سو وہ چلی گئی اور بیر سبع کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی اور جب مشک کا پانی ختم ہو گیا تو اس نے لڑکے کو جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور آپ اس کے مقابل ایک تیر کے ٹپتے پر دور جا بیٹھی اور کہنے لگی کہ میں اس لڑکے کا مرنا تو نہ دیکھوں، سو وہ اس کے مقابل بیٹھ گئی اور چلا چلا کر رونے لگی، اور خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا: اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر کیونکہ خدا نے اس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اس کی آواز سن لی ہے۔ اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کیونکہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا، پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا، اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اس کے لئے بیوی لی''۔

پھر اس کے فوراً بعد حضرت اسحاق کی سوختنی قربانی (یعنی ایندھن پر ڈال کر ذبح کرنا پھر آگ لگا دینا) کا بیان شروع ہو جاتا ہے، ایندھن کا گٹھا باپ (ابراہیم علیہ السلام) نے معصوم بچے پر لادا ہوا ہے اور خود ان کے اپنے ہاتھ میں آگ اور چھری ہے، معصوم بچہ اس سارے منظر سے خوف زدہ ہو کر باپ سے سوال کرتا ہے: (۱۳)

''اضحاق نے اپنے باپ ابرام سے کہا اے باپ! اس نے جواب دیا کہ اے

میرے بیٹے میں حاضر ہوں! اس نے کہا: دیکھ آگ اور لکڑیاں تو ہیں پر سوختنی قربانی کے لئے برہ کہاں ہے؟''

تو گویا بچے کو یا تو پتہ ہی نہیں کہ باپ اس کی قربانی دینے جا رہا ہے اور یا بچے کو تسلی دی گئی ہے کہ قربانی تو مینڈھے کی ہوگی، مگر پھر بھی بچہ ڈر جاتا ہے کہ معاذ اللہ باپ اس سے دھوکہ تو نہیں کر رہا؟ تسلی کے لئے پوچھ رہا ہے کہ باقی سامان تو ہے مگر برہ یا مینڈھا تو ہے ہی نہیں کہیں میری ہی قربانی تو نہیں ہونے جا رہی (۱۴)؟

کتاب مقدس (بائبل) کے باب پیدائش سے اردو ترجمہ (یہ اردو ترجمے ہر ایڈیشن پر بدلتے رہتے ہیں) خصوصی اہتمام کے ساتھ یہ دو مکمل عبارات یہاں (خلاف معمول) اس لئے پیش کی گئی ہیں تاکہ محترم قارئین اس تضاد اور اختلاف سے آگاہ ہو جائیں جو خود تورات کے اندر بھی پایا جاتا ہے اور تورات اور اسلامی مصادر کے درمیان میں بھی موجود ہے بلکہ بڑی شدومد کے ساتھ موجود ہے، نیز یہ اندازہ ہو جائے کہ اہل کتاب کے مصادر اور اہل اسلام کے مصادر کا ثقاہت و اعتبار کے نقطہ نظر سے مقام کیا ہے!

اسلامی مصادر کی رو سے آتش نمرود سے نجات اور حضرت سارہ کی معیت میں خلیل اللہ علیہ السلام کی داستان سفر کا خلاصہ (۱۵) یہ ہے کہ بادشاہ نے حضرت سارہ کی کرامت اور اللہ تعالیٰ کے نبی کی عظمت کو دیکھتے ہوئے بادشاہ کی طرف سے حضرت ہاجرہ کی صورت میں حضرت سارہ کے لئے جو خادمہ میسر آئی تھیں وہ انہوں نے اپنے بے اولاد شوہر کے نکاح میں دے دی تھیں، جب ہاجرہ کے ہاں حضرت اسماعیل، علیہ السلام، پیدا ہوئے تو حضرت سارہ کی نسوانیت جاگ اٹھی اور سوتن کے جلاپے نے جس طرح ہاجرہ کو ابراہیم علیہ السلام کے نکاح میں دینے کا حکم دیا تھا اسی طرح ماں بیٹے کو اپنے سے دور کر دینے کا حکم بھی دے دیا، اللہ تعالیٰ نے سارہ کی دلجوئی کو لازم قرار دیتے

ہوئے ننھے اسماعیل، علیہ السلام، اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کو کوہِ فاران کی وادیٔ بطحاء میں اپنے گھر کے پڑوس میں لا بسانے کا حکم دے (۱۶) دیا! خلیل اللہ، علیہ السلام، نے اس حکم ربانی کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے پلوٹھی کے اکلوتے بیٹے اور اس کی والدہ کو بے آب و گیاہ علاقے (وادی غیر ذی زرع) میں بیت اللہ کے پڑوس میں لا بسایا اور انہیں چھوڑ کر چپ چاپ چل دیئے کہ مبادا بات چیت میں بیوی اور بیٹے کی محبت غالب آجائے اور حکم ربانی کی تعمیل میں خلل آجائے، پانی کا ایک مشکیزہ اور کچھ خوراک کا تھیلا دے کر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام جانے لگے تو وفا شعار بیوی اور اللہ تعالیٰ کی مومن بندی نے تیزی سے منہ موڑنے والے دوسری طرف جاتے ہوئے اپنے شوہر اور اللہ کے نبی سے صرف اتنا پوچھا کہ ابراہیم! یہ تو بتا دیجئے کہ یہاں آپ ہمیں اللہ کے حکم سے چھوڑ رہے ہیں یا کوئی اور وجہ ہے؟ شوہر کی زبان سے یہ سن کر کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے! حوصلہ مند سچی مؤمنہ ہاجرہ نے کہا: تو پھر ہمیں کوئی ڈر نہیں! خیر الرازقین ذات باری تعالیٰ کی رضا کے لئے جو ہونا ہے وہ ہو جائے! وہ خود ہی ہمارا تحفظ فرمائے گا!

پانی اور زادراہ ختم ہوگئی تو ننھے اسماعیل بھوک اور پیاس سے بلکنے لگے چنانچہ بچے کو کوہ صفا اور مروہ کے درمیان لٹا کر ہاجرہ اونچی جگہ سے آتے جاتے مسافروں کو دیکھنے کے لئے کبھی کوہ صفا اور کبھی کوہ مروہ پر جانے لگیں، درمیان میں آکر بچے کو روتا بلکتا دیکھتیں تو رفتار تیز ہو جاتی! اللہ رب العزت کو اپنی اس بندی کی یہ ادا بہت پسند آئی اور ان کی اس دوڑ کو مناسک حج میں بطور سَعی شامل کر کے اسے غیر فانی بنا دیا (۱۷)!

ساتویں چکر میں بچے کے قریب سے گذریں تو دیکھا کہ اسماعیل کے پاؤں کے نیچے سے پانی کا چشمہ پھوٹ رہا تھا، جلدی جلدی مشکیزہ بھرا پھر بہتے پانی سے مخاطب ہوئیں اور کہا کہ: ”زم زم“! یعنی رک رک (کیا عجب کہ عبرانی یا قبطی زبان کا یہ لفظ بھی

برصغیر کی آریائی زبانوں- پنجابی وغیرہ- کے لفظ جم جم یعنی رک رک کی ہی ایک شکل ہو؟!)

جس طرح آب زم زم یعنی زم زم کا پانی ایک انوکھا پانی ہے اسی طرح چاہِ زم زم یعنی زم زم کا کنواں بھی ایک انوکھا کنواں ہے، کہنے کو تو یہ کنواں ہے مگر نہ تو اس علاقے میں کھودے جانے والے کنوؤں کی طرح گہرا ہے اور نہ اس میں آنے والا پانی عام کنوؤں کے پانی کی طرح ہے، اس کا پانی بہت نزدیک سے بھی ہے مگر کنویں میں اتریں تو مختلف سمتوں سے ابلتا اور فراٹے مارتا ہوا پانی اس قدر زور سے آتا ہے کہ آدمی کے پاؤں نیچے نہیں لگنے دیتا بلکہ اٹھا لینے یا بہا لے جانے والا پانی لگتا ہے گویا اس کا پانی زوردار انداز میں ابلنے والے چشمے کا پانی لگتا ہے، اسی لئے تو لوگ اسے چشمۂ زم زم بھی کہتے ہیں گویا یہ چشمہ نما کنواں یا کنواں نما چشمہ ہے! یہاں سے یہ فرمان نبوی، علی صاحبہ الصلاۃ والسلام، بھی ہماری سمجھ میں آ جانا چاہیے جس میں آیا ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نیک بندی اپنے ہاتھوں سے اور اپنی زبان سے اس چشمۂ خیر کو زم زم (رک رک) کہہ کر نہ روکتیں تو یہ سیل آب بن کر بہہ جاتا! سو گویا یہ چشمۂ آب پھل ہے ضربِ ملکوتی و پیغمبری اور دست اولیائی کا (۱۸)!

یہ چشمہ خیر کیسے وجود میں آیا؟ ایک نبی ابن نبی کی ایڑی کی چوٹ سے یا جبرئیل امین، علیہ السلام، کے ملکوتی پر کے اشارے سے؟! دونوں باتیں صحت کے مرحلے کو پہنچتی ہیں مگر یہ بات یقینی ہے کہ یہ جو کچھ بھی ہوا قضائے ربانی اور امر کن فیکون کا ثمر ہے اور یہ چشمہ ہوتے ہوئے بھی کنواں ہے اور کنواں ہونے کے باوجود ایک چشمہ رواں بھی ہے، یہ نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ کی ایک وَلِیَّہ کاملہ اور نبی کی بیوی اور نبی کی ماں کی آرزو بھری دعا کا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ چشمہ نشانِ ابدی ہے حضرت عبدہٗ بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدۂ کریمہ حضرت ہاجرہ، سلام اللہ علیہا، کا، اور بعد میں عبدالمطلب کی از سر نو

دریافت کا یہ نشان ابدی ہے، تو گویا یہ زم زم، ان تینوں۔ہاجرہ، اسماعیل اور عبدالمطلب۔کی عظمت کا نشان ابدی ہے جو، کل بھی تھا، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا جسے دنیا دیکھتی رہے گی اور اس سے فیضیاب و سیراب بھی ہوتی رہے گی!

زم زم کا خوشگوار، صحتمند اور قوت بخش پانی، جو بیک وقت پیاس بھی بجھاتا ہے، بھوک بھی مٹاتا ہے اور امراض سے شفا کا باعث بھی ہے، گویا یہ غذا بھی ہے، دوا بھی! مگر یہ پانی ہے کیا؟ کہاں سے آتا ہے اور کیسے آتا ہے؟ اس بارے میں علم اور سائنس کی دنیا دم بخود اور محو حیرت ہے! ماہرین کی یہ حیرت و استعجاب کل بھی تھا، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا! کیونکہ یہ پانی جس کثرت سے استعمال ہوتا ہے اور پھر جس بہتات کے ساتھ موجود رہتا ہے مگر نہ اس کی روانی میں فرق آتا ہے نہ رنگ بدلتا ہے اور نہ ذائقہ تبدیل ہوتا ہے، حرمین شریفین کے سب باشندے، ہر سال عمرہ کرنے والے اور حج بیت اللہ کا شرف حاصل کرنے والے لاکھوں انسان اسے پیتے ہیں، بھر بھر کر ساتھ بھی لے جاتے ہیں، نہ پینے والے سیر ہوتے ہیں نہ ان کے شوق اور ذوق میں فرق آتا ہے، کوئی اکتاہٹ نہیں، کوئی گھبراہٹ نہیں، پینے کے لئے سب بیقرار بھر کر لے جانے کے لئے سب تیار! یہ صرف پانی ہی نہیں کچھ اور بھی ہے!!

لیکن اس زم زم کی داستان شیریں و خوشگوار یہاں ختم نہیں ہوتی، اس کے جغرافیہ اور تاریخ کا احاطہ ناممکن ہے، ہاں ذبیح اللہ علیہ السلام کی باتیں سننے والی ہیں، زم زم کا چشمہ وادئ بطحاء کے قرب و جوار میں بسنے والے قدیم عربوں (عرب عاربہ، طسم و جدیس اور عمالیق کی باقیات)، پرندوں اور چرندوں کے لئے ایک خوشخبری اور پیغام حیات تھا، عمالیق، قبیلہ جرہم اور پھر قبیلہ خزاعہ کے لوگ بھی سیدنا اسماعیل اور ان کی والدہ ماجدہ کی اجازت سے اور پھر اپنی مرضی سے یہاں آتے اور آباد ہوتے رہے مگر انہی کے فساد اور بگاڑ بلکہ باہمی جنگ و جدال اور اکھاڑ پچھاڑ سے ہی شیطانی ذہنوں نے

اس وادی کو ویران بھی کیا اور زم زم کو بھی بدنیت اور انسانیت دشمنوں نے پاٹ کر ہمرنگ زمین کر دیا اور مدتوں تک وادیٔ بطحاء کے پیاسے زمزم! زمزم! پکارتے پھرے مگر اسے پانے میں انسانوں کی نسلیں صدیوں تک ترستی اور اسے ڈھونڈتی ہی رہیں مگر دوبارہ یہ انہیں کو مل سکا جن کا مقدر تھا! لیکن تھوڑی دیر کے لئے اس داستان شیریں کو اٹھا رکھتے ہیں اور چند لمحات کے لئے صاحبِ زم زم سیدنا ذبیح اللہ کی سچی کہانی کو صرف قرآن کریم کی مدد سے مکمل کرتے ہیں!

قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ خلیل اللہ، علیہ السلام، نے اپنے اہل وعیال کو اس بے آب وگیاہ وادی میں آباد کرتے وقت اپنی ذریت، وادیٔ بطحاء اور اہل بطحا کے علاوہ تمام انسانیت کے لئے دعائیں مانگیں (۱۹)، پھر اپنے فرزند ارجمند اسماعیل ذبیح اللہ کے ساتھ مل کر بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کی اور پھر انسانیت کو دعوت حج (۲۰) دی، اور آج جو دنیا کے کونے کونے سے خلق خدا احرام باندھے زبان سے لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ پکارتے ہوئے وادیٔ بطحا اور میدان عرفات میں پہنچتے دکھائی دیتے ہیں یہ دراصل اسی دعوت اور اذان ابراہیمی کا جواب ہے، کتاب اللہ نے بڑی وضاحت اور جامعیت کے ساتھ نہ صرف اسماعیل ذبیح اللہ، علیہ السلام، کی قربانی کو مسلسل اور مفصل بیان کیا ہے بلکہ ''اصل ذبیح'' کی نشاندہی کر کے اور بڑے اور پلوٹھی کے بیٹے کے سلسلے میں بھی کوئی ابہام یا اشتباہ نہیں چھوڑا، ارشاد ربانی کا اردو ترجمہ یوں (۲۱) ہے:

''ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! مجھے ایسی اولاد عطا فرما جو صالحین میں سے ہو، چنانچہ ہم نے اسے (ابراہیم علیہ السلام کو) ایک ایسے بیٹے کی خوشخبری سنادی جو بردبار اور تحمل مزاج ہوگا، سو جب وہی بیٹا (اسماعیل علیہ السلام) اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچا تو باپ نے بیٹے سے کہا: بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے (اللہ کی راہ میں) ذبح کرتا ہوں، سو اب تو دیکھ کہ تیری کیا رائے ہے؟! بیٹے نے باپ سے

کہا کہ اے میرے باپ! آپ کو جو رب کا حکم ملا ہے اسے پورا کر ڈالئے ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ چنانچہ جب دونوں (باپ بیٹے نے) سر تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے (منہ) کے بل لٹا دیا (ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے) اور ہم نے اسے پکارا کہ اے ابراہیم! بس تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے، نیکی کرنے والوں کو ہم یونہی بدلہ دیا کرتے ہیں! بلاشبہ یہ (باپ بیٹے کے لئے) کھلی آزمائش تھی (جس میں وہ دونوں پورے اترے) اور ہم نے ایک بھاری قربانی اس کے فدیہ کے طور پر دی! اور اسے بعد والوں میں ابراہیم (علیہ السلام) کی یادگار کو زندہ کر دیا، تو سلام ہو ابراہیم پر! نیکی کرنے والوں کو تو ہم جزا ایسے ہی دیتے ہیں! وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا اور پھر ہم نے اسے اسحاق علیہ السلام کی بھی بشارت دے دی کہ وہ بھی نبی ہوگا (اور اپنے بھائی اسماعیلؑ کی طرح) صالحین میں سے ہوگا!"

ذبیح اللہ کے سلسلے میں یہ آیات قرآنی کوئی شک وابہام نہیں چھوڑتیں مگر برا ہو یہودِ بنی اسرائیل کے حسد اور بغض کا جنہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد (عرب قوم) کی شان کم کرنے کے لئے چھوٹے بھائی اسحاق کو بڑا اور پلوٹھی کا بیٹا بنانے کے لئے تورات میں ایسی تحریف کی ہے کہ عبارات کو بے ربط اور بے معنی بنانے کے باوجود بھی کچھ نہیں بن سکا! سیدنا مسیح علیہ السلام نے یہود کی اس سنگدلانہ تحریف کی خوب خبر لی ہے مگر ان کا اسلوب بیان ایسا بلیغ اور پر معنی ہے کہ جسے (کوڑ مغز برہمن کی طرح) کوڑ مغز یہودی بھی (نسلی برتری کے نشے میں مبتلا ہونے کے باعث) نہیں سمجھ پایا، کم سے کم وہ متاثر تو نہیں ہو پایا، اس ضمن میں سیدنا مسیح علیہ السلام نے استعارہ کی زبان میں یوں فرمایا تھا کہ "کیا تم نے کتاب مقدس میں نہیں دیکھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر نکلا!" بہر حال یہود کے ماننے نہ ماننے سے سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ، علیہ السلام، کا کچھ نہیں بگڑتا! نہ وہ بگاڑ سکے ہیں، نہ بگاڑ سکتے ہیں اور

نہ بگاڑ سکیں گے کیونکہ "وَاِلَى اللهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ" (تمام معاملات نے انجام کار تو اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے جانا ہوتا ہے) وہی تو قادر مطلق اور وہی تو اٹل منصف ہے!

یہ چشمۂ آب جو زم زم کہلایا دراصل سیدنا ذبیح اللہ، علیہ السلام، کا پانی ہے جیسا کہ بجا طور پر اسے بعض اسلامی مصادر میں ماءِ اسماعیل یا آب اسماعیل کہا گیا ہے کیونکہ یہ حقیقت میں حضرت ذبیح اللہ، علیہ السلام، کے پاؤں کا صدقہ اور عطیہ خداوندی ہے! شہزادی ہاجرہ، سلام اللہ علیہا، نے تحریف سے دوچار ہونے والی تورات (۲۲) کے مطابق بھی اپنے بیٹے کے لئے مصر سے بیوی لی تھی (یعنی مصر کی شہزادی ہاجرہ زوجہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جو عظمت اور تقدس نصیب ہوا تھا اس کا تقاضا تھا کہ مصر ہی کے شاہی خاندان میں ان کے فرزند کی شادی ہوتی اور ہوئی۔ جس کا اعتراف تورات نے بھی یہودی محرفین کے ڈر سے ہی سہی دبی زبان میں تو کیا) مگر قبیلہ جرہم کے سردار نے بھی وادی بطحاء کے شہزادہ کو داماد بنانے میں فخر محسوس کیا تھا کیونکہ ان کا قبیلہ ماں بیٹے کی اجازت سے چشمہ زمزم سے سیراب ہونے کے لئے بیت اللہ کے جوار میں آباد ہوا تھا مگر بعد میں اسی قبیلہ کے فسادیوں نے شیطان پر سوار ہو کر وادی بطحاء کو میدان جنگ بنا دیا اور انسانیت دشمنی میں اس مقدس کنویں میں کوڑا کرکٹ ڈال کر اسے بھی پاٹ دیا تھا اور اسے زمین کے ساتھ اس طرح ہموار کر دیا تھا کہ ڈھونڈنے والے بدنصیب ٹکریں مار مار کر تھک ہار گئے لیکن زم زم کا چشمہ نہ مل پایا، ایک دوسرے قدیم عربی قبیلہ بنوخزاعہ نے بنوجرہم کو وادئ بطحاء سے دھتکار کر یمن کی طرف بھگا دیا مگر پانچ چھ سو سال تک تلاش کے باوجود بنوخزاعہ کے لوگوں کو آب زم زم نہ ملنا تھا نہ ملا یہاں تک کہ اولاد اسماعیل کے ایک تاریخ ساز ہیرو قصی بن کلاب بن مرہ نے خلیل خزاعی کی بیٹی حبی سے شادی کر کے قریش مکہ کے لئے وادی بطحاء کو بنوقضاعہ کی مدد سے آزاد کرالیا تھا مگر قصی کے دور میں بھی زم زم حسب دستور مدفون اور گم گشتہ ہی (۲۳) رہا!

یہ قریش کے سردار مردِ عزم ویقین کامل عبدالمطلب کے مقدر میں تھا کہ وہ میراث اسماعیل آبِ زمزم کو اپنے خداداد نورِ بصیرت سے دریافت کرے اور بیت اللہ شریف کے حجاج کرام کے لئے وقف کردے! اسی مردِ عزم ویقین کامل ہی کے گھرانے میں تو یکتائے روزگار عبداللہ نے جنم لیا جو انسان کامل ''عبدہ'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے کا وسیلہ جلیلہ ثابت ہوئے۔

تمام کتب سیرت وتاریخ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عبدالمطلب بن ہاشم نے تین رات مسلسل خواب میں ایک غیبی اشارہ پایا کہ فلاں جگہ چشمہ زمزم ہے، آپ خلق خدا کے لئے اس نعمت کو ازسرنو دریافت کریں، قریش کے لوگوں کو انہوں نے اپنا خواب سنایا مگر وہ گذشتہ تجربات (جو اصل میں بڑے تلخ تجربات تھے جن سے اہل مکہ کی نسلیں پانچ چھ سو سال گذرتے رہے اور وہ تلخ گھونٹ پی کر سو گئے تھے) اس لئے سب نے ہنس کر اپنے سردار کی بات کو بھی خواب پریشان جان کر ٹال دیا کہ آپ خود اپنے دست مبارک سے اس تلخ تجربہ سے ایک بار پھر گذرنے کا ثواب حاصل کر لیجئے، ہم میں تو مزید تلخی اٹھانے کی ہمت نہیں ہے! مگر مردِ عزم ویقین کامل کو اس طرح یقین تھا جس طرح انہیں اپنے سعادت مند یکتائے روزگار عبداللہ کے روشن مستقبل پر یقین تھا! مگر اس وقت عبدالمطلب کا بیٹا ابھی تک صرف ایک ہی تھا جس کا نام الحارث تھا، وفادار واطاعت گذار بیٹے نے اپنے باپ کا بھرپور ساتھ دیا، یہی وہ لمحات تھے جب قریش کے مردِ عزم ویقین کامل کو یہ خیال آیا کہ آج اگر حارث کے کچھ اور بھائی بھی ہوتے تو اس کے لئے مددگار ثابت ہوتے! مردِ عزم ویقین کامل نے اپنے رب سے دعا مانگی اور یہ عہد کیا کہ اگر اس کے فرزندان وفاشعار اور اطاعت گذار کی تعداد دس بھی ہو جائے تو میں ان سب کو چشمہ زمزم کی کھدائی پر لگادوں گا! نہ صرف لگادوں گا بلکہ یہ اسماعیلی میراث دریافت ہونے پر ان دس میں سے سامی اقوام کے دستور کے

مطابق ایک کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے قربان بھی کر دوں گا! (۲۴)

لیکن چشمہ زمزم یا بیر زمزم کی کھدائی اور دریافت کے لئے مرد عزم و یقین عبدالمطلب کو دس بیٹوں کی ضرورت ہی نہ رہی بلکہ اپنے بازوئے ہمت اور اپنے اکلوتے پلوٹھی کے بیٹے الحارث کی مدد ہی کفایت کر گئی! خواب میں نشاندہی کردہ جگہ پر کھدائی کرتے ہوئے عبدالمطلب کو ایک دن پاٹے ہوئے کنویں کی ایک طے نظر آئی تو مرد عزم و یقین کامل نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا جس سے پوری وادیٔ بطحاء گونج اٹھی اور شہر مکہ دنگ رہ گیا! سب لوگ حیرت اور سکتہ کی زد میں آ گئے مگر لمحہ بھر کے بعد ہوش میں آئے تو اپنے سردار کی طرف دوڑ پڑے! سب نے کہا: سردار! ہم سب بھی اولاد اسماعیل ہیں! یہ اسماعیلی ورثہ دریافت ہو گیا ہے! اس شرف میں ہمیں بھی شرکت کا موقع دیجئے! ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں!

مگر حق گو مرد عزم و یقین کامل کا صاف جواب تھا: اچھا اب! کچھ پہلے تو تم کچھ اور نہیں کہہ رہے تھے؟ میرے خواب کو خواب پریشان قرار دے کر مجھے اکیلے ہی اس کی تعبیر تلاش کرنے کی تاکیدیں کر رہے تھے نا؟! تم میں سے بعض ہنستے ہوئے میرا تمسخر بھی تو اڑا رہے تھے نا! اب تو یہ میراث خلیل و ذبیح دریافت ہو چکی ہے اس کے لئے تو میرے رب نے مجھے ہی مختص فرمایا (ذٰلِكَ فَضلٌ خُصِصْتُ بِهٖ دونکم) (۲۵)! رہا آب زمزم تو اس میں تو سب شریک ہیں! پوری انسانیت بلکہ یہ تمام خلق خدا اور دنیا کے گوشے گوشے سے آنے والے حجاج و زائرین اللہ تعالیٰ کے یہ تمام مہمان اس میں شریک ہوں گے!

یوں پانچ چھ صدیاں گم رہنے کے بعد حضرت عبدالمطلب (یکتائے روزگار عبداللہ کے والد اور عبدہٗ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کے دادا) کے دست مبارک پر یہ آب زمزم ایک بار پھر سب کی دست رس میں آ گیا! یہ اللہ کی طرف سے بہت بڑا اعزاز اور انعام

تھا، جو عبدالمطلب کو نصیب ہوا مگر عبدالمطلب سمیت یہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اس بڑے اعزاز وانعام کے بعد ان سے بھی بڑا امتحان آنے والا ہے! دیکھتے ہی دیکھتے اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ عبدالمطلب کے بیٹوں کی تعداد دس سے بھی متجاوز ہوگئی! اب انہیں اپنی نذر یاد آئی تو مردِ عزم ویقین نے اپنے سب بیٹوں کو بلایا! سب کے سب حاضر ہوگئے! ایک سے ایک کڑیل جوان جن میں قریش کا جوان رعنا اور عبدالمطلب کے گھرانے کا یکتائے روزگار عبداللہ بھی تھے! باپ نے جب ان سے اپنی نذر کا ذکر فرمایا تو سب کے سب یک زبان ہو کر بول اٹھے: ابا جان! آپ اپنی نذر اور اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد ضرور پورا کیجئے! انتخاب آپ کا! مرضی آپ کی! ہم سب آپ کے حکم کے منتظر ہیں! یہ انتخاب کا فیصلہ بھی ایک بہت بڑی آزمائش تھی لیکن ایک پرعزم اور مدبر اور مردِ عزم ویقین کامل کے لئے یہ مرحلہ بھی کچھ مشکل نہ تھا! باپ نے اپنے سر ذمہ داری لینے کے بجائے یہ معاملہ بھی قدرت خداوندی اور مقدر کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ سب اپنا اپنا نام لکھ دو قرعہ اندازی ہوگی! قرعہ اندازی کا نتیجہ بھی ایک حیرت انگیز عبرت تھی! قرعہ فال عبدالمطلب کے گھرانے کے یکتائے روزگار عبداللہ کے نام نکلا! آزمائش پر آزمائش بھی مردِ عزم ویقین کو متردد ومتزلزل نہ کرسکی! عبدالمطلب کو اپنے اس من موہنے نوجوان بیٹے سے بہت محبت تھی اور اس سے کچھ توقعات بھی وابستہ تھیں! اس سے پہلے ابراہیم خلیل اللہ، علیہ السلام، بھی گذر چکے تھے مگر وہ تو اللہ کے اولوالعزم نبی تھے اور یہ تو صرف عبدالمطلب بن ہاشم قریشی تھے!

ہاں لیکن یہ بھی تو یکتائے روزگار عبداللہ کے والد اور رسول اولین وآخرین عبدہ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا تھے! انہوں نے بھی تو نجاشی شاہ حبشہ کی طرح احبارِ یہود اور رہبان نصاریٰ سے نبی مُنتَظَر کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا! لیکن مردانِ عزم ویقین ڈگمگایا نہیں کرتے! بغیر کسی تردد یا ہچکچاہٹ کے اٹھے اور جانِ پدر عبداللہ کا ہاتھ پکڑا

اور چھری لے کر ذبح کے لئے لٹا دیا! مگر عبداللہ کی بہنیں چلاتی ہوئی آ گئیں! قریش مکہ بھی روکنے کے لئے آ گئے آ گئے اور سب نے کہا: عبدالمطلب! ایسا نہ کیجئے! لوگوں کے لئے ایک مثال بن جائے گی اور کتنے ہی باپ اپنے ہی بیٹوں کی گردنوں پر چھریاں چلانے لگیں گے! مگر سب آپ ہی کو یاد کریں گے!

عبدالمطلب نے فرمایا: اس میں میرا کوئی دخل نہیں! قرعہ فال ہی عبداللہ کے نام نکلا ہے! یہ قدرت خداوندی کا فیصلہ ہے جس پر ہم میں سے کسی کا کوئی زور نہیں ہے!

''عبدالمطلب! فدیہ بھی تو ہو سکتا ہے!'' سب نے بیک وقت متفقہ آواز میں کہا!

''مگر اس فدیہ کا فیصلہ کون کرسکتا ہے؟ قرعہ فال عبداللہ کی نشاندہی کر چکا ہے!''

عبدالمطلب کا جواب تھا!

''یہاں بھی تو قرعہ اندازی ہو سکتی ہے؟!'' کسی کا مشورہ آیا۔

''ہاں تو پھر دیت کے دس اونٹ دینا ہوں گے! چلو اللہ کا نام لو'' عبدالمطلب نے کہا!

دس اونٹ پر بھی عبداللہ ہی کے نام کا قرعہ فال نکلا! عبدالمطلب کے حکم سے دس دس اونٹ بڑھائے جاتے رہے! تعداد جب سو اونٹ پر پہنچی تو قرعہ فال اونٹوں کے نام نکلا! عبدالمطلب نے، دیت کے سو اونٹ ذبح کرنے کا حکم دیا اور کہا یہ گوشت خلق خدا کے سامنے کھلا چھوڑ دو، ہاں ہم بنی ہاشم میں سے تو کوئی بھی اس میں سے کچھ بھی نہیں لے سکتا! اس طرح دیت کی جو مقدار پہلے دس اونٹ تھی، اب سو اونٹ قرار پائی اور آج بھی دیت کی مقدار یہی ہے!

اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ اللہ رب العزت کی طرف سے تھا اور وہ ''ذبیح اللہ'' قرار پائے تھے! حضرت عبداللہ کے فدیہ کی مقدار بھی قدرت خداوندی نے قرعہ فال کے ذریعہ مقرر کی، اس لئے وہ بھی ''ذبیح اللہ'' ہیں! اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا

بجا اور برحق ہے کہ میں ''ذبیحین'' کا فرزند (۲۶) ہوں! سیرت نگاروں، تاریخ نویسوں اور مفسرین قرآن کی بہت بڑی تعداد نے اس ارشاد نبوی کی صحت پر صاد کیا ہے (۲۷)!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موحد اعظم جد الانبیا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد سے ہونا اور مُحیِی الحنیفیۃ یعنی سنت ابراہیمی کا احیاء کرنے والا ہونا جہاں ایک مسلم حقیقت ہے وہاں یہ نبوت خاتمہ کے فضائل اور مفاخر میں سے (۲۸) بھی ہے، رہا ابن الذبیحین ہونا تو یہ بھی تاریخی حقیقت ثابتہ ہے یعنی یہ سچ ہے کہ سیدنا اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام از روئے قرآن ذبیح اللہ ہیں، یہودی بغض وحسد خواہ کتنا ہی ابلے اور کیسے ہی کھولے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن حضرت عبداللہ کے لئے ذبیح اللہ کے لقب کے متعلق اگرچہ قطعی نص شرعی (قرآن وحدیث) وارد نہیں ہوئی مگر اس کے تاریخی حقیقت ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے، اولاد کی قربانی کی نذر ماننا سامی اقوام کی ریت رہی ہے جن میں عرب بدرجہ اولیٰ شامل ہیں، اس لئے حضرت عبدالمطلب کا نذر ماننا اور منت پوری ہونے پر نذر پیش کرنے کا عزم سامی روایت کو جاری رکھنا ہے اور قریش کے مرد عزم ویقین کی بھی یہی شان ہے، یہ الگ بات ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ذبح فرزند کا خواب دیکھا اور نبی کا خواب بھی وحی کے مترادف ہوتا ہے، اس لئے ذبح کرنے کے لئے ماتھے کے بل مذبح پر لٹا دینا گویا وحی ربانی کی تعمیل تھی، تاہم عالم ملکوت نے فدیہ دے کر اسماعیل کو چھڑا لیا مگر خلیل اللہ کی قربانی کا خواب پورا ہو گیا اور اسماعیل علیہ السلام کا ذبیح اللہ ہونا بھی ثابت ہو گیا، اس کے بر عکس حضرت عبدالمطلب نہ تو نبی تھے، نہ انہیں خواب میں حضرت عبداللہ کی قربانی کا اشارہ ہوا تھا بلکہ یہ تو قریش کے مرد عزم ویقین کا اپنا خدا سے عہد تھا، نذر تھی، جب منت پوری ہو گئی تو مرد عزم ویقین نے خنجر لے کر قرعہ فال عبداللہ کے نام کا نکلنے پر بیٹے

کو ذبح پر لٹا دیا، مکہ کی خلقِ خدا نے بالاجماع یہ رائے دی کہ عبدالمطلب! آپ کی نذر پوری ہوگئی، خلیل اللہ کے فرزند کا فدیہ قدرت خداوندی کا کرشمہ تھا، تم اپنے اس یکتائے روزگارِ فرزند کا فدیہ خود دو! حضرت عبدالمطلب مان گئے اور آخر کار قرعہ فال حضرت عبداللہ کے بجائے سو اونٹوں کے نام کا نکلا! اس پر اگر خلقِ خدا نے عبداللہ کو بھی ذبیح اللہ کہا تھا تو یہ زبان خلق نقارۂ خدا کے مترادف تھا اور اللہ کے دوست اور قریش کے مردِ عزم و یقین کی کرامت تھی! اس لئے یہ مانا کہ نہ تو حضرت عبدالمطلب نبی تھے نہ حضرت عبداللہ اور نہ یہ کوئی وحی خداوندی کی بات تھی، بس بات صرف اتنی سی ہے کہ خلیل اللہ، علیہ السلام، کے پوتے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سنت ابراہیمی کا احیاء کرنا تھا اس لئے ان کے والد اور دادا نے باپ بیٹے کی یاد کو تازہ کر دیا اور یہ ظاہر و باہر ہوگیا کہ والد اور دادا دونوں حنیفیت پر تھے! البتہ یہ یاد رکھنے والی بات ہے کہ فرزند ذبیحین والی بات کو ابوعبداللہ الحاکم، امام سیوطی، علامہ زمخشری علامہ دیار بکری اور ابن الجوزی نے بجا قرار (۲۸) دیا ہے اس لئے ہم بھی اسے درست اور بجا مانتے ہیں!

بنوامیہ کے وہ حکمران جو صبح کی نماز میں اپنی جگہ امامت کے لئے اپنی محبوبہ لونڈی کو اپنی پوشاک پہنا کر بھیجنے سے بھی نہیں جھجکتے (۲۹) تھے، جو بنو ہاشم کے فضائل کو کیا مانتے انہوں نے تو مساجد میں برسر منبر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو برا بھلا کہنے (والعیاذ باللہ!) کے مستقل احکام بھی صادر کر رکھے تھے، جو بنو ہاشم کے بزرگوں سے ''متعدد منافرات'' کے معرکوں میں بارہا شکست کھانے کے باوجود بھی ان کے عز و شرف کو ماننے (۳۰) کے لئے تیار نہ تھے وہ بھلا حضرت عبدالمطلب الہاشمی کی اس انفرادیت کو کیسے تسلیم کر سکتے تھے کہ آب زم زم کو دوبارہ دریافت کرنے کا شرف بھی قریش کے مردِ عزم و یقین ہی کو نصیب ہوگیا ہے۔ جناب ابوسفیان نے تو فتح مکہ کے موقع پر مؤلفۃ القلوب میں شمولیت سے پہلے یہ اعلان (۳۱) فرمایا تھا کہ ہم نے

بنو ہاشم کی سقایت (حاجیوں کو پانی پلانا)، رفادت (بیت اللہ کے زائرین کو کھانا کھلانا) اور سفارت کے حق کو مان لیا ہے مگر اب (معاذ اللہ!) بنو ہاشم (رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کو نہیں مانیں گے۔ اگر خدانخواستہ حضرت عبدالمطلب کو آب زم زم دوبارہ دریافت کرنے کا منفرد اعزاز واقعی حاصل نہ ہوا ہوتا تو بنوامیہ بنو ہاشم کے اس دعوی پر وادیٔ بطحاء میں ایک ہنگامہ نہ کھڑا کر دیتے۔ دوبارہ دریافت کے اس منفرد اعزاز پر بنوامیہ کا خاموش رہنا ہی اس ہاشمی دعوی پر سب سے بڑی اور ناقابل شکست دلیل ہے!

سو اگر یہ تاریخی حقیقت ہے کہ بنوجرہم اور بنوخزاعہ کے ہولناک تصادم اور جنگ و جدال کے نتیجہ میں وادی بطحا تباہ و برباد ہوئی تھی اور انسانیت دشمن شیطانی ذہنوں نے چاہِ زمزم کو گندمند سے پر کر کے ہمرنگ زمین کر دیا تھا جسے صدیوں تک قریش مکہ دوبارہ دریافت کرنے کے لئے جتن کرتے رہے تھے مگر اس میں بار بار ناکام ہوتے رہے حتیٰ کہ "صدر جمہوریہ مکہ مکرمہ" جناب قصی بن کلاب (۳۲) کی مساعی بھی ناکامی سے دوچار ہوئیں! اپنے خواب کی تعبیر کے لئے حضرت عبدالمطلب کا ساتھ دینے کے بجائے الٹا قریش کا ان کا مذاق اڑانا اور تمسخر اڑانا اور پھر صرف اپنے اکلوتے بیٹے الحارث کی مدد سے عبدالمطلب کا چاہ زمزم دریافت کرنے میں کامیاب ہونے پر قبائل قریش کو اس اعزاز میں شریک کرنے سے انکار کرنا اور اس پر بھی سب کا سر جھکا دینا حضرت عبدالمطلب کے دعوے کی ایک اور ناقابل انکار، ناقابل شکست اور روشن ترین دلیل ہے!

اگر زم زم دوبارہ دریافت ہونے پر بنوامیہ کی خاموشی ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے اور تمام قبائل قریش کو اس شرف میں شریک کرنے سے حضرت عبدالمطلب کا انکار پھر اس انکار پر سب کا شرمندگی سے سر جھکا لینا ایک حقیقت ہے تو پھر قریش کے مرد

عزم ویقین کی دس بیٹوں کی تمنا اور ایک کو رضائے الٰہی کی خاطر قربان کردینے کی نذر ماننا بھی ایک مسلم حقیقت ہی ہے اور حضرت عبداللہ، سلام اللہ علیہ۔ کا فدیہ سو اونٹ بھی ایک مسلم حقیقت ہے اور خلق خدا کا انہیں ''ذبیح اللہ'' کے لقب سے نوازنا بھی ایک حقیقت ہے تو پھر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرزند ذبیحین ہونے کے دعوے میں کیا شک رہ جاتا ہے۔ ایک صحابی رسول کا یہ کہنا کہ ''یا ابن الذبیحین'' (اے ذبیحین کے فرزند!) اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسکرا دینا اسے تقریری حدیث کے درجہ میں نہیں پہنچا دیتا! جب کہ اس واقعہ کے عینی شاہد اور راوی بھی ایک کاتب وحی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

اگر ہمارے متاخر دور کے اسلاف معتبر اور ثقہ محدثین جیسے ابوعبد اللہ الحاکم صاحب المستدرک علی الصحیحین، امام ابن الجوزی اور امام سیوطی، رحمہم اللہ اس واقعہ کی روایت وتصدیق نہ فرماتے تو اسے ماننا نہ ماننا جائز ہوتا مگر اب تو یہ واقعہ بھی شرف واعزاز مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عجائبات میں شامل ہو چکا ہے اور اس کا انکار الحاد کے زمرے میں آتا ہے، اسے ثابت کرنے کی توفیق ہمارے لئے اللہ رب العزت کا خصوصی فضل وکرم ہے! ہم فرزند ذبیحین والی بات کو ایک ایسی حقیقت ثابتہ مانتے ہیں جو ہمارا ایمان ہے، یہ اب صرف تاریخی حقیقت ہی نہیں رہی بلکہ شرعی سچائی بھی بن چکی ہے!

آبروئے نسوانیت خوش نصیب ترین ماں

یہ محض مجھ ایسے حقیر انسان کی قلمکاری کا کرشمہ ہی نہیں بلکہ یہ تو مسلّم حقیقت ثابتہ ہے کہ سیدہ آمنہ بنت وہب زہری، سلام اللہ علیہا، اپنی بے مثال اور بے نظیر ممتا کی بدولت اور شوہر کے ساتھ عہد وفا نبھانے کی زندہ بلکہ پائندہ یادگار کے طفیل بلاشبہ آبروئے نسوانیت بھی ہیں اور ایک در یتیم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آغوش مادری میں لینا اور پالنا ازل سے ان کے لئے مقدر تھا، اس لئے وہ یقیناً تاریخ انسانی کی سب سے زیادہ خوش نصیب اور عظیم ترین ماں بھی ہیں (۱)۔ ایک ایسا در یتیم جو ان کے بطن مقدس میں باپ کی امانت رہ گیا تھا، اس کی مشفقانہ پرورش کرنا اور چھ سالہ یتیمی اور بیوگی میں ہی اسے سراپا شفقت ورحمت، مجسمہ عدل وامن بلکہ رحمۃ للعالمین کی ذمہ داری اٹھانے والا بنا دینا کتنا مشکل اور ہمت شکن بوجھ تھا اس کا صحیح اندازہ صرف سیدہ آمنہ بنت وہب کا دل ہی لگا سکتا ہے!

ان کے سرتاج عبداللہ بن عبدالمطلب مہتاب قریش بھی تھے اور یوسفِ وادئ بطحاء بھی ان کا عین جوانی میں اور انتہائی مختصر عرصہ رفاقت کے بعد پردیس میں جا کر اچانک ہی اللہ کو پیارا ہو جانا سیدہ کے لئے کتنا بڑا ہولناک صدمہ تھا، شاید اسے ہمالیہ سمیت روئے زمین کے تمام پہاڑ مل کر بھی برداشت نہ کر سکیں! بھلا مہتابِ دنیا اگر اپنے سفر زندگی میں نصف شب کو ہی قلبِ آسمان سے اچانک غروب ہو جائے تو دنیا والے کیا برداشت کر پائیں گے؟ مگر سیدہ کے دل نے یہ صدمہ بھی صبر وشکر کی خاموشی کے ساتھ برداشت کر لیا! بیوی کا شوہر سے عہد وفا کیا ہوتا ہے اور وہ کیسے نبھایا

جاتا ہے؟ ہم اسے آمنہ کے دکھی دل سے پوچھ سکتے ہیں جو غم کے پہاڑوں تلے چپ چاپ دبا ہوا بھی ہے مگر عہد وفا بھی نبھا رہا ہے! یہ خارِ غم اور پھر جذبہ وفا کبھی تو خوبصورت شعروں کی شکل میں امڈ آتا ہے؟ کبھی روز وشب یونہی بے کل کئے رکھتا ہے پھر کبھی خود یا اپنے لخت جگر کی معیت میں کاروانِ بنی ہاشم کو ساتھ لئے یثرب میں اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے نکل پڑتی ہیں! یہ عہد وفا ہر سال بلکہ بار بار نبھایا جاتا ہے! اسی عہد وفا کے آخری سفر میں اپنا لخت جگر در یتیم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی ساتھ ہے یثرب سے واپسی پر بلاد بنو ضمرہ کے پاس مقامِ بدر کے قرب وجوار میں ابواء میں آکر یہ عظیم وجلیل قلب نسوانی آخری دھڑکنیں محسوس کرتا ہے! سیدہ اپنا سر مبارک اپنے لخت جگر کی گود میں رکھ دیتی ہیں، اس لمحے جو ناصحانہ نیک تمنائیں ان کی زبان فیض رساں پر آتی ہیں وہ بھی ایک عظیم ترین عرب خاتون اور خوش نصیب ترین ماں کی باتیں ہیں جو سننے سے تعلق رکھتی ہیں (۲)۔

اگر سوال ہو کہ عورت کی حقیقی عظمت اور اس کی شخصیت کی اصل رفعت و بلندی کا راز کیا ہے؟ تو میرا دو حرفی جواب ہوگا: نسوانیت اور ممتا! نسوانیت کا جوہر عفت اور وفا ہے! جبکہ ممتا (جسے عربی میں اُمُومَتْ ام یا ماں ہونا کہتے ہیں) دراصل نسوانیت کی معراج ہے! رسول اولین وآخرین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی محترم اور مشفق شخصیت میں یہ تمام خصائص اور خوبیاں مسلمان خواتین کے لئے بالخصوص اور خواتین عالم کے لئے بالعموم ایک زندہ جاوید عملی نمونہ ہے مگر اس مقصد کے لئے سیدہ آمنہ کی شخصیت وسیرت کے ان عملی پہلوؤں پر کم کم ہی دھیان دیا گیا ہے!

ممتا ایک جذبہ کا نام ہے جو سب سے زیادہ سَچا بھی ہے اور بالکل سُچا بھی ہوتا ہے! مگر ممتا ایک عجیب وغریب قوت اور صلاحیت کا نام بھی ہے! ایک ایسی قوت جس کی مضبوطی کا کوئی حساب ہے نہ اس کی نرمی اور نزاکت کی کوئی حد ہے! ممتا کی یہ انوکھی

وصلاحیت جہاں ریشم اور مخمل سے زیادہ نرم، ملائم اور خوشگوار ہوتی ہے وہاں یہ ہیرے کے جگر اور فولاد سے بھی زیادہ قوی اور مضبوط بھی ہوتی ہے بلکہ جہاں تمام نرمیاں ختم ہو جاتی ہیں وہاں سے ممتا کے قلب وجگر کی نرمی اور ملائمت شروع ہوتی ہے! فولاد اور ہیرے کا جگر تو کٹ سکتے ہیں مگر ممتا کی قوت ناقابل شکست ہوتی ہے! اگر آزمانا ہو تو انسانیت کی ممتا کو آزمانے کے بجائے پہلے کسی بھی مادہ جانور کے لخت جگر کو چھیڑ کر دیکھ لو! سینگ ہیں تو وہ تمہارا پیٹ پھاڑ ڈالیں گے اور اگر دانت ہیں تو وہ تمہارے جسم کو چیر ڈالیں گے! مگر ممتا اپنے خون اور جگر کے ٹکڑوں پر کوئی دست درازی، کوئی زیادتی برداشت نہیں کر سکے گی! اگر پرندے ہیں تو وہ جھپٹ جھپٹ کر چونچوں اور ناخنوں سے تمہاری آنکھیں بھی نکال لیں گے مگر ممتا کبھی ہار یا شکست نہیں مانے گی! اگر ممتا کی نرمی دیکھنا ہو تو کسی ممتا سے اس کی نافرمان سے نافرمان اولاد کے لئے سوائے خیر خواہی اور دعا کے کچھ اور سنوانے کی کوشش کر دیکھو! اولاد کے لئے بدخواہی اور بددعا ممتا کی لغت میں تو ہے ہی نہیں! باقی سب کھاتوں اور باتوں کو چھوڑو! صرف یہ سن لو کہ رب رؤف ورحیم نے جب اپنی رافت اور رحمت کی حدود سے انسانِ ظلوم وجہول کو آگاہ کرنا چاہا تو اس ظلوم وجہول انسان کی دنیا میں کیا پوری کائنات میں رب رحیم کو صرف ممتا کا دل ہی نظر آیا جس کی رافت ورحمت سے رب رؤف ورحیم نے اپنی رافت و رحمت کو زیادہ اور برتر بتا کر جرم وعصیان کے خوگر انسان کو تسلی دی اور فرمایا کہ میں تو کسی ماں کے دل سے بھی زیادہ نرم اور مہربان ہوں! اس سے معلوم ہوا کہ خالق کل نے بھی اپنی پیدا کردہ اس وسیع وعریض بلکہ ہر لحظہ تغیر اور وسعت پذیر کائنات میں ممتا کے دل سے زیادہ نرم اور مہربان اور کوئی چیز ابھی تک پیدا ہی نہیں فرمائی!

لیکن رحمت ورافت کی حقیقی حدود وقیود جاننا ہوں تو سیدہ آمنہ کے جذبہ اُمُومَتْ کو دیکھ لو جو مجسم رافت ورحمت ہیں بلکہ اسم بامسمی ہیں! رب کریم نے روزِ ازل میں ہی

ان کے لئے جو نام پاک ''آمنہ'' (امن دینے والی، رحمت ورافت کا سایہ پھیلانے والی) مقدر فرمایا تھا وہ نام ہی اس حقیقت کو اظہر من الشمس کر دیتا ہے! اسی آمنہ، سلام اللہ علیہا، نے ہی تو امن عالم کی روحِ رواں اور رحمۃ للعالمینی کو جنم دیا، اسے اپنے سایہ رحمت وشفقت میں امن عالم، عدل وانصاف کا داعی اور انسانی اخوت ومساوات کی ذمہ داری سنبھالنے کے قابل بنایا! یہی صفت انہیں تاریخ انسانی کی خوش نصیب ترین اور عظیم ترین ماں کا شرف واعزاز کا حقدار بناتی ہے! اور انہیں آبروئے نسوانیت کا تاج بھی پہناتی ہے!

نسوانیت کا وقار، آبرو اور عظمت کا ایک پہلو عفت و پاکدامنی کے ساتھ اپنے رفیق حیات سے غیر متزلزل دلی وابستگی اور عہد وفا بھی ہے، اس پر مستزاد اگر اس کے آغوش کو کوئی خدا ترس اور انسان دوست لخت جگر بھی میسر آجائے تو یہ نسوانیت کی خوش نصیبی بلکہ نسوانیت کی معراج بھی ہے! اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ آمنہ بنت وہب، سلام اللہ علیہا، کی نہ کوئی مثال تھی اور نہ اب کہیں سے کوئی نظیر لائی جاسکتی ہے! ان کی نسوانیت کو چار چاند لگانے اور جلا بخشنے کے لئے خدا نے جو رفیق حیات مقدر کر رکھا تھا وہ بھی اپنے وقت کے یوسف وادیٔ بطحاء اور مہتاب قریش تھے جو بلاشبہ یکتائے روزگار عبداللہ تھے جو تاریخ رجال کے پاکیزہ اور طیب انسان تھے، جو حسن اخلاق کے ساتھ ساتھ حسن ظاہر میں بھی اپنی مثال آپ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے آغوش مادری کو جس در یتیم سے سجانا اور مزین کرنا اس کے لئے روز ازل ہی سے مقدر کر دیا تھا اس نے تو انہیں تاریخ انسانی کی سب سے زیادہ خوش بخت اور خوش نصیب ماں بنا دیا۔

یہ بات بھی حضرت آمنہ، رحمۃ اللہ علیہا، کی عظمت او مغفرت کا سرمایہ قرار پاتی ہے کہ قریش کے مرد عزم ویقین حضرت عبدالمطلب نے انہیں اپنے فرزند کے لئے

پسند کرلیا تھا بلکہ وہ اپنے عہد طفولت وجوانی ہی سے ان کی نگاہ بصیرت کا انتخاب تھیں یہ ان کے لئے ایسا شرف واعزاز ہے جو انہیں اپنے عہد اور ماحول کی تمام قریشی دوشیزاؤں بلکہ اپنے چچا وہیب زہری کی بیٹی ہالہ پر بھی فوقیت دیتا ہے (۳)!

آخر کار وقت کا وہ لمحہ بھی آن پہنچا جس کا تاریخ ہزاروں سال سے انتظار کر رہی تھی اور اب آنے والے وقتوں میں ہزاروں سال تک اس لمحے کی یادوں کو ہی سمیٹتی چلی جائے گی اور یہ وہ لمحہ تھا جب اہل مکہ مکرمہ کی زبان خلق نے مہتاب قریش اور یوسف وادیٔ بطحاء یکتائے روزگار اور عبدالمطلب کے گھرانے کے فرد فرید عبداللہ کو ''ذبیح اللہ'' پکارنا شروع کیا تھا! اس وقت قریش کے مردِ عزم ویقین کو یہ خیال آیا کہ کتاب مقدس کی تاریخ ساز پیشین گوئی کوہِ فاران کی وادیٔ بطحاء کو نبی منتظر کے ظہور قدسی کا نقطہ قرار دیتی ہے اور اولادِ اسماعیل قریش مکہ کو اس آنے والے نبی کا اولین مخاطب ہونا ہے، وقت کے تمام احبار یہود اور رہبان نصاریٰ بھی اس پر صاد کرتے ہیں، مخفی علوم کے ماہرین بھی یک زبان ہوکر آنے والے کے وقت کو قریب بتارہے ہیں، اللہ رب العزت نے میری التجاء ودعاء کو بھی شرف قبولیت بخشتے ہوئے میرے ہاتھ پر گم شدہ آب زم زم کو دوبارہ دریافت کرا کے خلق خدا کی مشکل آسان کردی ہے اور آج میری نذر کی تکمیل کی شکل یہ بنی ہے کہ میرے عبداللہ کو زبان خلق ذبیح اللہ! پکار رہی ہے تو اسی لمحے انہیں یمنی ماہر تورات وقیافہ شناس یہودی عالم کی بات یاد آگئی کہ:

''عبدالمطلب! چونکہ آپ بنو ہاشم سے ہیں اس لئے آپ کی اولاد کے کسی فرد فرید کے ہاں ایسا بچہ جنم لینے والا ہے جس میں اللہ جل شانہ نے ''نبوت اور حکومت'' کو جمع کردیا ہے مگر اس کے لئے بنو زہرہ کی کسی عفت مآب دوشیزہ اور بنو ہاشم کے ایک فرد فرید کا ملاپ ہونا ضروری ہے'' (۴)۔

یمنی قیافہ شناس کے ان الفاظ کا یاد آنا تھا کہ قریش کے مرد عزم ویقین فوراً اٹھ

کھڑے ہوئے اور اعلان فرمادیا کہ ابھی اسی وقت عبداللہ بن عبدالمطلب ہاشمی اور آمنہ بنت وہب زہری کی شادی ہوگی! عبدالمطلب اپنے فرزندار جمند ''عبداللہ'' کا ہاتھ پکڑے بنوزہرہ کے ہاں لے گئے (۵)! وہب توفوت ہو چکے تھے، ان کا بھائی وہیب ہی سیدہ آمنہ کا بھی ولی اور سرپرست تھا! بنوزہرہ کے اہل خانہ نے سردار عبدالمطلب سے دوسری بات ہی نہ کی اور بنو ہاشم کے فرزند اور زہرہ کی دختر نیک اختر کا نکاح ہوگیا! مگر نہیں سردار عبدالمطلب کی ایک اور تجویز ابھی آنا ہے! اسی مجلس میں انہوں نے اپنے لئے وہیب سے ان کی بیٹی ہالہ کا رشتہ بھی مانگ لیا اور یوں حضرت حمزہ شیر خدا اور رسول کی والدہ ماجدہ حضرت ہالہ بنت وہیب سردار عبدالمطلب کے نکاح (٦) میں آگئیں! مگر یہ رشتہ شوق شادی کے لئے نہیں تھا بلکہ ایک حکیمانہ مصلحت اور دوراندیشی کے لئے تھا جسے صرف عبدالمطلب جانتے تھے یا ان کے رب العالمین کے علم وتقدیر میں تھا! یادرکھنے کی بات صرف یہ ہے کہ سیدہ آمنہ اور حضرت عبداللہ کے درمیان وہ قران السعدین وجود میں آگیا جس نے تاریخ بھی بنانا تھی اور انسانیت کا بول بالا کر کے ایک نیا نظام زندگی بھی انسانی دنیا کو دینا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ، اللہ یرحمہا، کی سیرت اور شخصیت کے متعلق چونکہ پہلے ہی میری دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں (ایک مختصر ''سیدہ آمنہ'' کے عنوان سے اور دوسری مفصل ''والدہ ماجدہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے عنوان سے اور اب اس مفصل کے نقشِ ثانی کی تیاری ہے، بتوفیق اللہ عزوجل) اس لئے یہ باب بے حد مختصر اور صرف برکت اور زینت کے لئے ہی ہے، مگر اس کے بغیر ہماری اس کتاب (حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب) کے بعض مندرجات کو آزادانہ اور مکمل طور پر سمجھنے میں مشکل پیش آسکتی ہے، دوسرے حضرت آمنہ والی کتاب میں چونکہ حضرت عبداللہ پر بھی ایک مستقل باب موجود ہے اس لئے اس کتاب میں حضرت آمنہ کے لئے بھی یہ باب

ضروری معلوم ہوا)۔

معلوم ایسے ہوتا ہے کہ شادی کے بعد جو چند مہینے میاں بیوی کو ایک ساتھ گذارنے کے لئے میسر آئے تھے ان کی چونکہ کوئی خاص خبر کہیں بھی مذکور نہیں اس لئے اندازہ یہی ہے کہ یہ زندگی پر مسرت مگر خاموشی اور سکون سے گذری ہوگی، بظاہر حضرت عبدالمطلب کی تمام فکرمندی اب حضرت عبداللہ کے بجائے حضرت آمنہ کے لئے مختص ہوگئی تھی کیونکہ قریش کے مردعزم ویقین کی ساری توجہ اب آنے والی ذات پاک کے تحفظ وسلامتی پر مرکوز تھی، غالباً اسی لئے حضرت عبداللہ اب اپنے گھرانے کے فردفرید اور یکتائے روزگار عبداللہ کو اپنے آباء واجداد کے کسب حلال یعنی پیشہ تجارت کی عملی تربیت کی راہ پر ڈال رہے ہیں، انہیں نہ صرف یہ کہ موسم گرما کے کاروان تجارت کے ساتھ شام وفلسطین بھیج رہے ہیں بلکہ واپسی پر یثرب سے عمدہ کھجور خرید کر لیتے آنے کا کام بھی سونپ رہے ہیں (۷) کیونکہ اب عبداللہ کے لئے یثرب وخیبر کے اشرار یہود کے حسد وبغض اور عداوت کا بھی کوئی ڈر نہیں رہا، سب کو یہ معلوم ہوچکا ہے کہ حضرت عبداللہ کی حضرت آمنہ سے شادی ہوچکی ہے اور اب ان شرپسندوں کی توجہ کسی اور طرف ہوچکی ہے۔

حضرت آمنہ اور ان کی چچازاد بہن ہالہ بنت وہیب دونوں ایک ہی گھر کی بہوئیں بن چکی ہیں اور اکٹھی رہ رہی ہیں، حضرت آمنہ، سلام اللہ علیہا، کا حضرت عبدالمطلب سے دوہرا رشتہ ہے، وہ ان کے سسر بھی ہیں اور ایک لحاظ سے بہنوئی بھی ہیں، اس لئے سسر اور بہو کے باہمی تعلقات احترام اور محبت کے ہیں مگر سالی اور بہنوئی ہونے کے ناطے ان میں قدرے بے تکلفی بھی پائی جاتی ہے چنانچہ حضرت آمنہ انہیں ہمیشہ کنیت سے یاد کرتی ہیں اور ابوالحارث کہہ کر بلاتی ہیں (۸)، وہ اپنے شوہر حضرت عبداللہ کو بھی پروقار انداز میں نہائت احترام کے ساتھ ''ابن ہاشم'' کے نام سے یاد کرتی ہیں!

حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد اپنے پر درد مگر فکر انگیز مرثیہ میں بھی وہ اپنی گفتگو میں اور اپنے شعروں میں بھی انہیں ''ابن ہاشم'' ہی کہتی ہیں۔

جواں مرگ شوہر کی جدائی کا پہاڑوں جیسا بوجھل صدمہ اور غم اپنی جگہ مگر اب حضرت آمنہ کی ممتا کی بھرپور توجہ کا مرکز ان کا لخت جگر ہے، دستور کے مطابق کبار قریش کے بچے فصیح عربی زبان اور خالص عرب ثقافت کے رنگ میں رنگے جانے کے لئے قبیلہ بنوسعد بن بکر کے پاکیزہ ماحول میں (۱۰) بھیجے جاتے تھے، بنوسعد کی خواتین حسب معمول قریشی بچوں کی طلب وتلاش میں مکہ مکرمہ آتی ہیں تو سیدہ آمنہ کی انتہائی کوشش ہے کہ ان کا لال یتیم ہونے کے باعث اس تربیت سے محروم نہ رہنے پائے، چنانچہ حضرت حلیمہ سعدیہ ایک تو نومولود کی برکت وسعادت سے متاثر ہیں مگر سردار عبدالمطلب کی بہو آمنہ انہیں انعام واکرام سے بھی نوازتی ہیں، لیکن قابل توجہ بات یہ کہ وہ حلیمہ سعدیہ کو بار بار یہود کے خطرات سے ان کے لخت جگر کو بچائے رکھنے کی تلقین اور تاکید بھی فرماتی جارہی ہیں (۱۱)، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سردار عبدالمطلب اپنے پوتے کے شاندار مستقبل پر ایمان رکھتے ہیں اسی طرح ان کی نیک بخت بہو بھی اپنے لخت جگر کے عظیم الشان مستقبل سے آگاہ اور یہود کے شر سے خائف ہیں! وہ جب آخری بار یثرب میں اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے جاتی ہیں تو ان کا لخت جگر اور در یتیم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی ساتھ ہے، حضرت ام ایمن، رضی اللہ عنہا، نگرانی پر مامور ہیں، گلی میں بعض یہودی دیکھ کر آپس میں باتیں کر رہے ہیں کہ یہ ہیں نبی منتظر اور یہ ہے ان کا دار الہجرت! ام ایمن معصوم کو فوراً والدہ کے پاس لے جا کر یہودیوں کی باتیں بتاتی ہیں تو اسی وقت حضرت آمنہ کاروان بنی ہاشم کی فوری واپسی کا حکم فرماتی ہیں (۱۳) حالانکہ وہ خود بیمار ہیں اور سفر کے قابل نہیں مگر اپنے لخت جگر نبی منتظر کو حاسد اور بدخواہ یہودیوں کے شر سے بچانا ان کی پہلی ترجیح ہے وہ واپسی کے اسی سفر کے

دوران میں ہی ابواء کے مقام پر فوت ہو جاتی ہیں اور وہی ان کا مدفن اور آخری آرام گاہ بھی بنتی ہے (۱۳)۔

ابواء کے مقام پر بنو ہاشم کی عزت و آبرو یہ عظیم ترین ماں زندگی کے آخری لمحات اس دنیا میں گذار رہی ہیں، ان کا بے بدل و بے مثال لخت جگر اپنی زندگی کی ابھی بمشکل چھ بہاریں دیکھ پایا ہے، سراپا رحمت وشفقت دریتیم اپنی والدہ ماجدہ سے لاڈ پیار کرتے ہوئے ان کا سر مبارک اپنی گود میں رکھ لیتے ہیں اور ماں اپنے رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیمثال فرزند کے پیار بھرے چہرے کو بے حد شفقت سے، بے پناہ پیار سے اور شفقت بھری نظر سے دیکھ رہی ہونگی اور اپنی قریشی زبانِ فصاحت فیضان میں فرما رہی ہونگی (۱۴):

بَارَكَ فِيْكَ اللهُ مِنْ غُلَامٍ يَا ابْنَ الَّذِيْ مِنْ حَوْمَةِ الْحِمَامِ

نَجَا بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْمِنْعَامِ فَوَدِيْ غَدَاةَ الضَّرْبِ بِالسِّهَامِ

بِمِائَةٍ مِنْ اِبِلٍ سَوَّامِ اِنْ صَحَّ مَا اَبْصَرْتُ فِي الْمَنَامِ

تُبْعَثُ فِي التَّحْقِيقِ وَالاسلام دين أبيكَ الْبَرِّ اَبْرَا هَامِ

فَاللهُ أنهاكَ عَنِ الْاَصْنَامِ اَنْ لَّاتُوَالِيْهَا مَعَ الاقوامِ

(۱) اے میرے بیٹے! اللہ تعالی تجھے برکت دے! تو تو اس ہستی کا فرزند ہے جس نے موت کے حملہ سے

(۲) انعام کرنے والے رب کے فضل سے نجات پائی اور قرعہ اندازی والے دن اس کا فدیہ ادا کیا گیا تھا،

(۳) چارا کھانے والے سو اونٹ ان کی دیت تھی! اگر میرا خواب سچا تھا تو پھر۔۔۔

(۴) تو سرزمین حرم میں اور اس سے آگے کی مخلوق کے لئے مبعوث ہوگا۔

(۵) تیری بعثت حق کے اثبات اور امن کی خاطر ہوگی! تیرے نیک باپ ابراہیم علیہ السلام

کا یہی دین ہے۔

(۶) اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تجھے بت پرستی سے محفوظ فرمایا ہے! تو نے ان بتوں کے لئے لوگوں کا ساتھ نہیں دینا!

حضرت آمنہ کے یہ رجزیہ جملے کاروان میں شامل ایک قریشی خاتون نے اپنی بیٹی حضرت ام شجاعہ کو سنائے تھے، یہ رجزیہ کلام اور اس کے الفاظ اپنی سادگی اور روانی کے لحاظ سے ایک قریشی خاتون کے جذبہ خلوص کے آئینہ دار ہیں جو اپنے فرزند عزیز کو الوداعی نصیحت فرمارہی ہیں! اور ان کے عظیم الشان و بے نظیر مستقبل پر بھی ان کا یقین وایمان ہے جو قریش کے مرد عزم ویقین کا بھی آئینہ دار ہے۔

قِرانُ السعدین کا مرحلہ

یہ تو ہر خدا شناس مرد و زن کی زبان پر ہوتا ہے کہ جوڑے اور ملاپ تو آسمانوں میں طے ہوتے ہیں، یہ بات حق اور بالکل درست ہے! عربی زبان میں اسی کو عَقدِ قِران (یعنی ہم پلہ، ہمسر اور برابر کو باہم جوڑ دینا) بھی کہتے ہیں، اگر یہ جوڑ اچھا، بھلا ہو (یعنی انمل اور بے جوڑ شادی نہ ہو) اور سراسر خوشی و خوش بختی لائے تو اس قران (یعنی جوڑ) کو قِرانُ سعدین (خوش بختی اور سعادت والے دو ستاروں کا جوڑ اور ملاپ) کہتے ہیں! بنو ہاشم کے یکتائے روزگار اور فرد فرید عبداللہ کی بنو زہرہ کی سراپا عفت و پاکدامنی اور اپنے وقت کی تمام قریشی دوشیزاؤں کی حسین و خوش اخلاق دوشیزہ آمنہ بنت وہب سے شادی بلاشبہ قران السعدین (دو سعادتمندوں، خوش نصیبوں کا جوڑ ہے، تو بھلا اس پوری کائناتِ انسانی میں کوئی جوڑا سیدہ آمنہ اور حضرت عبداللہ سے بڑھکر خوش نصیب والدین ہو سکتے ہیں) تھا! کیونکہ یہ ملاپ اور عقد قران ایک ہستی کو جنم دینے اور وجود میں لانے کے لئے تھا جو مقصود تخلیق کائنات ہے۔ وہ کائنات کے لئے ہیں اور کائنات ان کے لئے ہے! اسے خدا نے اپنی خدائی منوانے اور اپنی توحید سمجھانے کے لئے پیدا فرمایا! خدا نے یہ کائنات اپنی پہچان کے لئے پیدا فرمائی مگر یہ پہچان محبوب خدا کی آمد کی محتاج تھی! اس لئے اس کائنات میں آپ اور میں تو خدا کے مقصود نہیں ہیں، خدا کا مقصود تو صرف اور صرف اس کا رسول محبوب ہی ہے!

جس طرح عقدِ قران اور خوش بختی والا ملاپ حضرت عبداللہ کی حیاتِ مُستعار کا اہم اور نہایت مرغوب اور دلچسپ مرحلہ تھا اسی طرح اس مختصر سی کتاب کا یہ باب بھی

بہت اہم اور بے حد دلچسپ ہے، مگر بات کی گہرائی تک جانے اور اس کے اہم نشیب و فراز کو سمجھنے کے لئے چند ایک تمہیدی باتیں ذہن میں رکھنا نہ صرف ضروری ہے بلکہ بے حد مفید بھی ہوگا:

ا۔ہم جس عہد کی بات کر رہے ہیں اس عہد کا انسان فطرت کے اسرار و رموز جاننے اور زندگی کے حقائق تک رسائی پانے کے لئے اپنی خداداد صلاحیتوں کو کام میں لانے کے لئے بے قرار تو رہتا تھا مگر اس کے اس تَطَلُّع (بروزن تکلف و تصرف بمعنی کیورا سٹی Curiosity اور تجسس) کی تسلی کے لئے علمی وسائل دستیاب نہیں تھے۔لیکن جہاں علمی اور سائنسی وسائل نہ ہوں تو وہاں انسان کی عقل بے قرار عجب عجب گورکھ دھندوں میں الجھتی رہتی ہے جو اکثر غلط اور کبھی کبھی مہلک بھی ہوتے ہیں، مگر یہ بات ہے عقلِ عیار کی، رہی عقل سلیم تو یہ انسان کے لئے تعمیری راستے نکالتی ہی رہتی ہے، استقرائی منطق عقل سلیم ہی کا ثمر ہے، قرآن کریم (۱) نے انسان کی عقلِ سلیم کو ہی مخاطب کیا ہے اور عملی تجربات سے گذرنے والی استقرائی منطق سے کام لینے کی تلقین بھی کی ہے، قیافہ، فراست الید اور قدرتی نظام کے فوائد اور نقصانات سے آگاہی میں عقل سلیم اور استقرائی منطق ہمیشہ انسان کے کام (۲) آئی ہے، عرب میں جن ذرائع معلومات کو معتبر اور مفید سمجھا گیا ان میں قیافہ شناسی اور فراست الید یعنی پامسٹری کا رواج عام تھا، ایسے ایسے قیافہ شناس ہو گذرے ہیں جن کے کمالات حیرت انگیز بھی ہیں اور دلچسپ بھی مگر اس کے لئے بنیادی باتیں سمجھنے اور تجربات کی کسوٹی سے گذرنا پڑتا تھا، تاہم اس کے لئے عقل سلیم کی وافر مقدار درکار ہوتی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات سے کچھ پہلے اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ، رضی اللہ عنہا، کو پاس بلایا اور اپنے بعد اپنی وراثت کی تقسیم سمجھائی، بیٹی چونکہ حدیث و فقہ میں کمال کی مہارت رکھتی تھیں اس لئے والد ماجد سے عرض کیا کہ آپ نے بھائیوں کی تعداد اور ان کے حصص تو درست

فرمائے ہیں مگر ہم بہنوں میں آپ نے ایک بہن بڑھا دی ہے؟ والد نے فرمایا: پگلی! تمہاری سوتیلی ماں امید سے ہیں نا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ان کی وفات کے بعد جب میری سب سے چھوٹی بہن دنیا میں آئی تو مجھے اپنے والد گرامی کی قیافہ شناسی کا اندازہ (۳) ہوا، ایک عرب قیافہ شناس کے دو قیافہ شناس بیٹے اپنے والد کی وفات کے بعد اس کے ایک قیافہ شناس دوست سے ملنے جا رہے تھے، رستے میں ایک درخت کے پاس دونوں رک گئے دیکھا کہ کوئی اونٹ ابھی ابھی یہاں پر چر کے گیا ہے، ایک بھائی نے کہا کہ اس اونٹ کا ایک پاؤں زمین پر پورا نہیں لگتا اس لئے یہ لنگڑا تھا، دوسرے نے کہا: یہ اونٹ آدھی شاخ چرتا ہے اور آدھی چھوڑ دیتا ہے اس لئے یہ کانا بھی تھا۔

یہ دونوں قیافہ شناس بھائی کچھ دور چلے تو پیچھے سے اونٹ کا مالک آ گیا اور بتایا کہ پیچھے رستے میں ایک درخت کے ساتھ میں اپنا اونٹ چرتا چھوڑ کر سو گیا تھا اب میرا اونٹ غائب ہے، کیا آپ نے دیکھا؟ دونوں بھائیوں نے اونٹ کا لنگڑا اور کانا ہونا بتایا تو اونٹ والے نے کہا: ہاں ہاں ٹھیک ہے یہ میرا ہی اونٹ ہے! مگر یہ تم نے کہاں دیکھا؟ انہوں نے کہا: یہ تو ہمارا اندازہ ہے مگر اونٹ ہم نے دیکھا نہیں! وہ آدمی ان دونوں بھائیوں کے پیچھے پڑ گیا، جب وہ اپنے والد کے قیافہ شناس عرب دوست کے پاس پہنچے اور قصہ سنایا تو اس نے اونٹ کے مالک سے کہا: جا میاں! اپنا اونٹ تلاش کر اور ہمارا وقت نہ ضائع کر (۴)۔

ان دو واقعات سے عرب میں قیافہ شناسی کے رواج اور مقبول و موثر علم ہونے کا اندازہ ہو سکتا ہے، یہود و نصاری کے مذہبی پیشوا بھی قیافہ شناسی میں کمال رکھتے تھے مگر ان کے پاس صحف سماویہ: تورات و انجیل وغیرہ، کا علم اس کے علاوہ تھا، اس لئے انہوں نے لوگوں کو بھی یہ سب کچھ بتا اور سکھا دیا تھا، اس لئے ان کی طرف سے بنو ہاشم

کے چہرے اور پیشانیاں دیکھ کر اور ان میں نبی منتظر کی علامات جان کر اندازہ لگا لینا سمجھ میں آتا ہے، لیکن اس قیافہ شناسی کے علاوہ علم نجوم یا ستارہ شناسی، کہانت (اٹکل پچو سے اندازہ لگا کر غیب کی باتیں بتا دینا)، زائچے بنانا اور چرب زبانی سے لوگوں کو بیوقوف بنا لینا بھی رائج الوقت سکے تھے۔

۲۔ تورات میں دنیائے انسانیت کے لئے ہدایت و نبوت کے ظہور کے تین مقامات کا ذکر ہے (۱) طور سیناء حضرت موسیٰ، علیہ السلام، کے لئے کوہ طور پر تجلی الٰہی اور عطائے تورات (۲)، کوہ ساعیر جو فلسطین میں ہے اور یہ حضرت عیسیٰ، علیہ السلام، کی نبوت و رسالت کا حوالہ ہے (۳)، کوہ فاران کی وادی بطحاء جو حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری نبوت و رسالت اور عطائے قرآن کریم کا حوالہ ہے، اس کے علاوہ تورات ہی میں سیدنا موسیٰ، علیہ السلام مرد خدا کے آخری لمحات میں اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ میں تیرے چچا اسماعیل کی اولاد میں سے بھی تجھ جیسا ایک عظیم و جلیل پیغمبر مبعوث کروں (۶) گا! سیدنا مسیح، علیہ السلام، تو عالم انسانیت کے لئے سراپا بشارت و خوشخبری بن کر آئے تھے، آپ کی انجیل کے معنی بھی بشارت اور خوشخبری ہے، انجیل برناباس کے علاوہ عیسائیوں کی چار مانی ہوئی انجیلوں میں سے دو میں بھی موجود ہے آپ نے اپنے بعد آنے والے نبی کی بشارت دی ہے متن اور ترجمہ میں مسلسل تحریف اور تبدیلی کے باوجود ان میں یونانی زبان کے جو لفظ درج ہیں ان کے معنی ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' اور ''احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے بنتے ہیں (۷)، لیکن انجیل برناباس میں تو صاف لفظ احمد آیا ہے، قرآن مجید میں بھی سیدنا مسیح، علیہ السلام، کی زبانی پیغام آیا ہے کہ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ یعنی میں بشارت دینے کے لئے آیا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئیں گے اور ان کا نام ''احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہو (۸) گا۔

۳۔ نبی منتظر کے متعلق اہل کتاب کے لئے خصوصاً اور تمام انسانیت کے لئے عموماً

واضح اشارات ہی نہیں پائے جاتے بلکہ یہ اشارات تاکیدی احکام کے درجے کو پہنچتے ہیں، یہود اہل کتاب کو آنے والے کے متعلق تو پختہ یقین تھا مگر ان کے لئے فکرمندی اور پریشانی کی بات یہ تھی کہ شریعت و نبوت اولاد یعقوب و اسحاق (یہود بنو اسرائیل) سے نکل کر بنو اسماعیل میں جارہی تھی، مگر قدرت کے نظام اٹل کا فیصلہ یہ تھا کہ ابراہیمی ورثہ ہدایت و نبوت صدیوں تک بنی اسرائیل میں رہا تھا مگر وہ اس کا حق تو کیا ادا کرتے سنبھال بھی نہ سکے تھے، نافرمانی اور گمراہی کے ساتھ ساتھ ناحق قتل انبیاء کا جرم شنیع بھی ان کا معمول بن گیا تھا، اس لئے اب یہ ورثہ اولاد اسماعیل میں منتقل کرنے کا اٹل وقت آگیا تھا، مگر اولاد یعقوب بن اسحاق میں سینکڑوں نبیوں اور رسولوں کے بجائے اب یہ دولت و وراثت صرف ایک وارث کو جانے والی تھی جو تخلیق میں تو اول النبین ہیں مگر بعثت وظہور میں آخر النبین ہیں، تمام انبیاء اللہ کی انہوں نے ہی تصدیق کرنا ہے، رسالۃ اللہ کی تکمیل بھی کرنا ہے اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی صحیح پہچان، توحید ربانی کا عرفان اور وحدت نسل انسانی کے ساتھ ساتھ احترام انسانی کا دائمی قانون بھی نافذ ہونا ہے۔

لیکن مسیحی اہل کتاب چونکہ یہودیوں اور رومنوں کے مظالم اور چیرہ دستیوں کی زد میں تھے اس لئے وہ بھی نبی منتظر کی آمد کے لئے بے قرار تھے کیونکہ ان کی نجات اور مسیح ابن مریم کے مرتبہ و مقام کو منوانا اسی آنے والے کے ذمہ تھا، قدرتی طور پر اس ابتدائی دور کی مسیحیت آنے والے کو مانتی اور اس کی آمد کے طفیل نجات پانے کو اپنے لئے خوشی کا مرحلہ تصور کرتی (۹) تھی، مسیحیت کی یہ خوشی اس وقت تک قائم رہی جب تک مورتیاں پوجنے والی رومن امپائر نے عیسائیت کا لبادہ نہ اوڑھا تھا اور مشرق وسطی میں خصوصاً نجران میں، عیسائی مذہبی پیشواؤں کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کا فیصلہ نہ کیا تھا، اس کے ساتھ ہی جب یہودی احبار نے مسیحیت کا پلڑا ابھاری

ہوتا دیکھا تو عیسائی راہبوں کی خوشامد شروع کردی اور انہیں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کردیا، اس وقت سے آج تک یہودی احبار عیسائیوں کے ہمدرد، مرشد اور مربی چلے آرہے ہیں اور انہیں اسلام کے خلاف بھی استعمال کررہے ہیں، آخری منظر نام نہاد نائن الیون کے بعد بش کی کروسیڈ ہے، جسے اس بزدل نے فورا پینترا بدلتے ہوئے اپنی اس کروسیڈ یا صلیبی جنگ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نام دے دیا ہے اور عالمی صیہونیت امریکہ کی اندھی فوجی طاقت سے عالم اسلام کو کچلنے اور اسے غلام بنانے پر ادھار کھائے بیٹھی ہے!

۴۔ روم وایران کی طویل جنگ نے تمام دنیا خصوصاً مشرق وسطی کو جہنم میں بدل دیا تھا، قرآن کریم نے اس جنگ کو بحر وبر میں فساد سے تعبیر (۱۰) کیا ہے، ظاہر ہے اس مقامی اور عالمی صورت حال نے انسانیت کا ناک میں دم کردیا تھا، یہی وہ تاریخی مرحلہ بھی ہے جب حضرت اصحم نجاشی شاہِ حبشہ، رضی اللہ عنہ، کا والد قتل ہوگیا اور انہیں غلاموں کی منڈی میں بنوضمرہ کے عرب تاجر کے ہاتھ فروخت کردیا گیا تھا اور وہ ایک مدت تک حجاز کے علاقے میں رہے تھے، یہیں انہوں نے عربی سیکھی، یہود ونصاریٰ کے مذہبی پیشواؤں سے نبی منتظر کی باتیں سنیں، مکہ مکرمہ میں آتے جاتے رہے اور سچے مسیحی ہونے کے سبب نبی منتظر پر بھی ایمان رکھتے تھے، ہجرت حبشہ ہمیں یہی داستان سناتی ہے!

۵۔ کہنے کی یہ بات ہے کہ اس لمحہ تاریخ میں حجاز ویمن کے علاوہ پورے مشرق وسطی میں نبی منتظر کی آمد آمد کی دھوم مچی تھی، اس تناظر میں یہود ونصاریٰ کی بعض مکی عورتوں نے، حضرت عبداللہ کو پھانسنے کے گر سیکھ لئے تھے، ان میں ام قتال بنت نوفل، مکہ کے پادری ورقہ بن نوفل کی بہن اور بنوخثعم کی یہودیت قبول کرنے والی عورت فاطمہ بنتِ مُر خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، حضرت عبدالمطلب کی نذر پوری

ہونے کے نتیجے میں حضرت عبداللہ کو تمام اہل مکہ نے بجا طور پر "ذبیح اللہ" کہنا شروع کر دیا تھا اور وہ جو کہتے ہیں تو بالکل بجا کہتے ہیں کہ "زبان خلق نقارۂ خدا" ہوتی ہے، چنانچہ قریتین (مکہ وطائف) سمیت پورے جزیرۂ عرب میں بھی، ایک تہلکہ مچ گیا کہ عبدالمطلب نے اپنے عزیز ترین بیٹے کی قربانی پیش کر کے حضرت ذبیح اللہ بن خلیل اللہ، علیہما السلام، کی یاد تازہ کر دی ہے، بس فرق تھا - اور یہ بہت بڑا فرق ہے - کہ وہ دونوں باپ بیٹا اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے مگر یہ دونوں باپ بیٹا - عبدالمطلب اور عبداللہ - عرب کے حنفاء میں سے تھے اور خلیل و ذبیح کی سنت کے پیروکار بھی تھے مگر اس کے ساتھ ہی نبی آخر الزمان فخر الاولین والآخرین خاتم المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا اور باپ بھی تو تھے، اگرچہ حضرت اسماعیل کی گردن پر چھری قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا (تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے) کی ملکوتی آواز نے نہ پھرنے دی تھی اور ان کا فدیہ بھی قدرت ربانی کا کرشمہ تھا لیکن عبداللہ کی گردن بھی تو قرعہ فال ان کے نام آنے سے ہی بچی تھی اور یہ بھی تقدیر خداوندی کا ہی تو فیصلہ تھا، اس لئے سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ کی طرح سیدنا عبداللہ "ذبیح اللہ" بھی زبان خلق کی منصفانہ آواز تھی! اس لئے جن دوشیزاؤں کو یہود و نصاریٰ کے مذہبی پیشواؤں نے صرف صحف سماویہ کے مندرجات سے آگاہ کر کے قیافہ شناسی کی تعلیم بھی دے دی تھی بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد کی پیشانیوں میں نور محمدی پڑھ لینے اور اس کی چمک دمک کی علامات بھی صحیح صحیح ذہن نشین کر لینے کی ہدایت بھی دے دی تھیں، اس لئے عبداللہ ذبیح اللہ کے نکاح میں آ کر نبی منتظر کی ماں بننے کی خواہش کرنا ان کے ہاں کوئی اچنبھے یا تعجب کی بات نہیں تھی! بلکہ اس وقت عرب کے رواج کے مطابق کسی عورت کا خود کو نکاح (خواہ کیسا بھی ہو) کے لئے پیش کرنا بھی کوئی اخلاقی عیب یا قانونی جرم بھی نہیں تھا! کیونکہ ایجاب و قبول مرد و عورت دونوں کا برابر کا حق ہے! مرد کی طرف سے ایجاب ہو اور

عورت کی طرف سے قبول ہو یا اس کے برعکس ہو، دونوں صورتیں جائز اور روا تھیں اور اب بھی ہیں!

۶۔ مگر بایں ہمہ چونکہ عقد نکاح کی یہ صورت اس وقت کی مروج سترہ صورتوں میں سے ایک تھی جسے شرفائے عرب بہر حال مستحسن نہیں جانتے تھے، اس لئے ان سترہ صورتوں میں سے عقد نکاح کی صرف ایک صورت ہی شرفائے عرب کے ہاں مقبول و مستحسن تھی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی برقرار رکھا اور تمام اسلامی معاشروں میں آج بھی وہی مروج ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حسن ظاہر و باطن سے مزین عبداللہ بن عبدالمطلب نکاح کی اس مکروہ صورت کو بھی حرام قرار دے کر مسترد کر رہے ہیں!

۷۔ قریش کے مرد عزم و یقین حضرت عبدالمطلب بن ہاشم، سلام اللہ علیہما، اپنے وقت کے مرد جہان بیں بھی تھے اور مرد جہاں آشنا بھی جنہوں نے بڑی دنیا دیکھی تھی اور جو زندگی کے متنوع اور بے حساب تجربات سے بھی گذرے تھے، وہ اس دورِ فترت کے احوال و خصائص سے بھی بخوبی آگاہ تھے اور نبی منتظر کے متعلق ان کی معلومات بھی اس دور کے اہل کتاب سے زیادہ تھیں! وہ ایک بین الاقوامی شخصیت مانے جاتے تھے، انہوں نے ملک ملک شہر شہر پھر کر دنیا دیکھی تھی، دنیا بھر کے مذہبی پیشواؤں سے مل کر معلومات کا ذخیرہ اکٹھا کر چکے تھے، یمن، حبشہ، شام اور روم کے بادشاہوں سے ان کے ذاتی مراسم تھے! وہ نہ صرف یہ کہ نبی منتظر کے ظہور سے آگاہ تھے بلکہ اس پر ان کو یقین بھی تھا! انہیں یہ بھی یقین تھا کہ بنو ہاشم و بنو زھرہ کا ملاپ اس ضمن میں قران السعدین کا حکم رکھتا ہے! وہ اپنے پوتے کے شاندار مستقبل پر بھی یقین اور ایمان رکھتے تھے اور ہر ایک سے یہ فرماتے بھی جاتے تھے "اِنَّ لِاِ بْنِیْ ھٰذَا لَشَأْنًا (کہ میرے اس فرزند کی شان کا کیا کہنا (۱۱)) بلکہ نبوت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ان کا یقین ایمان کے درجے کو پہنچتا دکھائی دیتا ہے! اس لئے وہ خود، ان کے

بیٹے عبداللہ اور ان کی بہو حضرت آمنہ، سلام اللہ علیہم جمیعا، بھی نبی منتظر کے اعلان نبوت سے پہلے ہی ان پر ایمان لا چکے تھے (۱۲)، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مضر کے پیشگی قبول اسلام کو تسلیم کرنے کا حکم فرما رہے ہیں (اور بالکل بجا فرما رہے ہیں!) تو میں ان مذکورہ تمام بزرگوں کے پیشگی ایمان کو بھی دل سے مانتا ہوں!

کتب تاریخ و سیرت نے حضرت عبدالمطلب کے ایک سفر یمن کی روداد ریکارڈ کی ہے جو بڑی دلچسپ اور ایمان افروز بھی ہے اور اس سے نبوت مصطفویہ، علی صاحبہا الصلوات والسلام، سے ان کی دلچسپی اور قلبی تعلق کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اس سفر میں وہب بن عبد مناف بن زہرہ بھی ان کے ہمراہ تھے، یہ دونوں اپنے اپنے قبیلے کے سردار بھی تھے اور گہرے دوست بھی، ان کے ساتھ قریش مکہ کا ایک نمائندہ وفد بھی تھا، یہ سب لوگ شاہ یمن سیف بن ذی یزن کے دربار میں حاضر تھے، اس شاہی دربار میں جب نبی منتظر کا تذکرہ ہوا تو برسرِ عام اس شاہ یمن نے آنے والے سے اپنی (۱۳) عقیدت اور محبت کا اظہار کیا تھا، ابن سعد نے ذکر کیا ہے اور امام سہیلی نے اس کی مزید وضاحت کی ہے کہ حضرت عبدالمطلب حسب معمول سرمائی سفر تجارت کے سلسلے میں یمن گئے ہوئے تھے جہاں ایک عرصہ سے یہودی اور یہود نواز بادشاہوں کی حکومت تھی اور یہودی علماء نبی منتظر کی تاک میں بھی لگے ہوئے تھے، بڑے بڑے احبار یہود اپنے اپنے وسیع علم اور تجربہ کے ساتھ لوگوں پر نظر رکھے ہوئے تھے، حضرت عبدالمطلب یمن کے شاہی خاندان بنوحمیر میں سے ایک سرکردہ دوست کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے، وہاں پر ایک ایسا ہی یہودی عالم آیا جو کافی عمر رسیدہ بھی تھا اور تجربات و حوادث دیدہ اور نرم و گرم چشیدہ بھی تھا، وہ قیافہ شناسی میں بھی کافی مہارت رکھتا تھا، اس نے حضرت عبدالمطلب سے کہا کہ میں آپ کے اعضائے جسم کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے فرمایا کہ بھائی میں اپنے تمام جسم کو تو تیری

قیافہ شناسی کے لئے پیش نہیں کرسکوں گا، اس نے کہا: میں تو صرف آپ کی ناک کے دونوں نتھنوں کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں (ایک زمانہ تھا جب قیافہ شناس نتھنوں کے بالوں کی بنیاد پر ایک انسان کے ماضی اور مستقبل سے آگاہ ہو کر صحیح صحیح باتیں بتاتے تھے، اور دست شناسی یا پامسٹری کی طرح نتھنا شناسی بھی ایک مسلم علم وفن بنا ہوا تھا، ہمارے کئی ایک مسلمان سکالر بھی اس فن کے مشہور ماہر ہو گذرے ہیں اور لوگ نہ صرف یہ کہ ان کی باتوں کو مانتے تھے بلکہ دور ونزدیک سے لوگ اپنے نتھنے دکھانے کے لئے ان کے پاس حاضر بھی ہوتے تھے، امام علی حلبی نے بھی اپنے ایک استاد کا ذکر کیا ہے جو اس فن کے ماہر تھے اور گذرے ہوئے یا آئندہ واقعات سے آگاہ کر کے لوگوں کو اچھی طرح مطمئن کر سکتے تھے)، اس یہودی بزرگ نے یہ جان کر کہ حضرت عبدالمطلب سردارِ قریش ہیں اور بنو ہاشم سے ہیں، نتھنے کا ایک بال دیکھ کر ان سے کہا کہ: ''أری نبوۃ و ملکا وأرا ھما فی المنافین (مجھے تو اس میں نبوت اور بادشاہت یک جا دکھائی دے رہے ہیں اور میرے مطابق یہ دونوں چیزیں (نبوت و بادشاہت دو منافوں میں ہوں گی) یعنی عبد مناف بن قصی (حضرت عبداللہ کے جد اعلیٰ) اور عبد مناف بن زہرہ (حضرت آمنہ کے جد اعلیٰ!) دوسرے لفظوں میں یہ نبوت اور بادشاہی بنو ہاشم اور بنو زھرہ کے بچوں کے قران السعدین کا نتیجہ ہوگا (۱۵)۔

محمد بن سعد کے علاوہ علی حلبی اور المواہب (۱۶) کے فاضل مصنف نے بھی ذکر کیا ہے کہ ایک یمنی دوست کے ہاں حضرت عبدالمطلب کے پاس ایک عمر رسیدہ یہودی قیافہ شناس آیا جو تورات کا بھی بہت بڑا عالم مانا جاتا تھا، یہ جان کر کہ معزز مہمان کا تعلق قریش مکہ سے ہے اور وہ بنو ہاشم کے بھی سردار ہیں، یہ خواہش ظاہر کی کہ میں آپ کے نتھنوں کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں، حضرت عبدالمطلب نے اسے اجازت دے دی، یہودی عالم نے بتایا کہ آنے والا نبی منتظر جو بیک وقت نبوت وحکومت کا مالک ہو

گا، اس کی علامات مجھے آپ میں نظر آئی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں بنوزہرہ بھی بنو ہاشم کا ساتھ دیں! اس یہودی قیافہ شناس کی پیشین گوئی میں حضرت عبدالمطلب کے لئے نئی بات یہ تھی کہ نبی منتظر کسی ایسے جوڑے کے ہاں پیدا ہوگا جس میں بنو ہاشم اور بنوزہرہ کا ملاپ ہوگا (١٦)، ورنہ یہ سب باقی باتیں ان کے لئے نئی نہ تھیں بلکہ اس وقت حجاز ویمن کے علاوہ شام وفلسطین اور عراق میں بھی یہ سب باتیں زبان زدخلائق تھیں اور حضرت عبدالمطلب عہد طفولت وشباب میں خیبر و یثرب کے یہودی مذہبی پیشواؤں سے بھی یہ باتیں سنتے رہے تھے اور بعد میں سفر وحضر میں نجات دہندہ یا نبی منتظر کی باتیں وہ سنتے ہی چلے آتے تھے، تاہم انہوں نے اس بات کو پلے باندھ لیا تھا مگر ان کا یہ یقین پختہ ہوگیا تھا کہ تورات میں اولاد اسماعیل سے جو وعدہ کیا گیا ہے اور جس کے بارے میں احبار یہود اور رہبان نصاری بھی سب متفق ہیں، وہ ایک نہ ایک دن حقیقت بن کر ہی رہے گا! بیت اللہ کے جوار میں آباد تمام اولاد اسماعیل میں سے بنو ہاشم ہی اس شرف واعزاز کے زیادہ مستحق ہیں اور اب اس یہودی قیافہ شناس نے اس شرف واعزاز میں بنو ہاشم کے ساتھ بنوزہرہ کو بھی شریک بتایا ہے تو یہ بھی قابل یقین بات لگتی ہے!

عمرو العلی ہاشم بن عبد مناف قریشی کے قابل فخر فرزند ار جمند اور قریش کے مرد عزم ویقین حضرت عبدالمطلب کی زندگی کا وہ دن تو بڑی خوشی کا دن بھی تھا اور ان کی زندگی کے لئے نقطۂ تحول (Turning Point) بھی تھا جس دن وہ اپنی عظیم مدبر و حوصلہ مند ماں سلمی بنت عمرو نجاریہ کی مشفقانہ دعاؤں اور ان کی اجازت سے اپنے مشفق و مہربان چچا المطلب بن عبد مناف کے ساتھ یثرب چھوڑ کر مکہ مکرمہ آ گئے تھے، وہ جب اپنے چچا کے ردیف ہو کر ان کے پیچھے اونٹنی پر سوار ہوئے تھے تو اپنی والدہ ماجدہ اور ننھیال کے ''عامر'' اور شیبۃ الحمد'' تھے مگر جب مکہ مکرمہ میں اسی اونٹنی سے اترے

تھے تو ان میں ایک دائمی تبدیلی واقع ہو چکی تھی! اب وہ عبدالمطلب (المطلب کے بندے اور غلام) بن چکے تھے! لیکن جس طرح ان کی سیاسی اور روحانی زندگی ابرھہ الاشرم کے لشکر اصحاب الفیل کی عبرتناک شکست سے بلندیوں کی طرف انقلابی قدم اٹھاتی ہوئی نظر آتی ہے، اسی طرح ان کا قابل فخر معاشی و تاریخی کارنامہ بلکہ عظیم روحانی خوشی کا دن وہ تھا جب ان کے یوسف صفت نور نظر اور ان کے گھرانے کے یکتائے روزگار حضرت عبداللہ کی زندگی کا آخری مگر مسرتوں اور لذتوں سے لبریز لمحہ آیا تھا جب انہیں مکہ مکرمہ کی خلقِ خدا نے ''عبداللہ ذبیح اللہ! عبداللہ ذبیح اللہ'' پکارنا شروع کر دیا تھا اور یوں زبان خلق نقارۂ خدا قرار پا گئی تھی!

ہوا یوں تھا کہ قریش کے مرد عزم و یقین عبدالمطلب بن ہاشم کی یہ تمنا اور یہ حسرت بھری دعا قبول ہو گئی تھی اور وہ دس سے زائد جوانوں کے باپ بن گئے تھے! انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر کسی دن میرے رب نے میرے بیٹوں کی تعداد دس (یا دس سے زائد) پوری کر دی تو ان میں سے کسی ایک کو میں اپنے رب کی رضا اور خوشنودی کے لئے قربان کر دوں گا! قرعہ اندازی ہوئی تو قرعہ فال یوسف وادی بطحا کے نام نکلا! پھر کیا تھا! مرد عزم و یقین نے ہاتھ میں چھری پکڑی اور اپنے منظور نظر کا ہاتھ پکڑ کر قربان گاہ پر لے گئے! عبداللہ کی بہنیں روتی فریاد کرتی آئیں اور باپ کا دامن پکڑ لیا! تمام اہل مکہ نے بھی یک زبان ہو کر مہتاب قریش کی جان بخشی کی درخواست کر دی مگر مرد عزم و یقین کو کون روک سکتا تھا؟! بالآخر قرعہ اندازی میں سو اونٹ بطور فدیہ قرار پائے تو شہر مکہ پر سکون و سکوت کا ایک سناٹا چھا گیا! پھر سب نے جب عبداللہ کا فدیہ سو اونٹ سنا تو سب کو اسماعیل ذبیح اللہ، علیہ السلام، کا فدیہ یاد آیا سب نے یک زبان ہو کر نعرہ بلند کیا: عبداللہ ذبیح اللہ! عبداللہ ذبیح اللہ! تو یہی زبان خلق نقارۂ خدا قرار پا گئی! قریش کے مرد عزم و یقین کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی! زبان خلق کا یہ نعرہ پوری

وادیٔ بطحا میں گونجنے لگا! سب کی توجہ عبداللہ پر مرکوز ہوگئی! یہی وہ لمحہ بھی تھا جب ایک بار پھر مردِ عزم ویقین کی یہ رائے پختہ تر ہوگئی کہ اللہ رب العزت اولاد اسماعیل سے اپنا توراتی وعدہ پورا کرنے والا ہے! اس وعدہ خداوندی کے ایفا کے اصل حقدار بنو ہاشم ہی ہونگے اور بنو ہاشم میں بھی ہاشم کا پوتا عبداللہ ہی اس کا صحیح حقدار ہوگا!

اب قریش کے مردعزم ویقین کو یمن کے بوڑھے قیافہ شناس یہودی کی بات یاد آتی ہے اور معا بنوزہرہ کے وہب اور وہیب کی بیٹیوں - آمنہ اور ہالہ - کا خیال بھی لہر بن کر چمکتا ہے اور وہ اپنے عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر وہیب زہری کے گھر کے ارادے سے چل پڑتے ہیں! کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہونے والا ہے عبدالمطلب جانتے ہیں یا ان کا خدا جانتا ہے! سادہ مزاج اور معصوم عبداللہ کو بھی کچھ معلوم نہیں، صرف یہی کہ والد انہیں کہیں اچھے کام کے لئے ساتھ لے جارہے ہیں!

لیکن اسماعیل ذبیح اللہ، علیہ السلام، کے والد گرامی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو بھی تو شیطان لعین نے رستہ میں بار بار گمراہ کرنے کے جتن کئے تھے نا!؟ مگر یہاں یہ شیطانی کام یہود ونصاری کی تربیت یافتہ حواء کی بیٹیوں کے سپرد ہے لیکن وہ عبدالمطلب کو مخاطب کرسکتی ہیں نہ انہیں للچا سکتی ہیں! یہ شیطانی نمونے براہ راست صرف یوسف وادیٔ بطحا عبداللہ پر حملہ آور ہوتی ہیں! سب سے پہلا وار قتالہ یا ام قتال بنت نوفل کرتی ہے! پادری ورقہ بن نوفل کی بہن ہے! کتاب مقدس (بائبل) پر عبور رکھتی ہے! نبی منتظر کی باتیں یہود ونصاری کے مذہبی پیشواؤں سے اچھی طرح جان چکی ہے! نور محمدی، علی صاحبہ الصلاۃ والسلام، کی پہچان بھائی نے کروا رکھی ہے! بن سنور کر بیت اللہ کے قریب کھڑی ہوجاتی ہے! پاس سے گذرتے ہوئے چپکے سے عبداللہ کے کان میں پھونکتی ہے: ''عبداللہ! عارضی شادی کے لئے میرے گھر چلو تو تمہیں سو اونٹ بھی دوں گی!'' مگر عبداللہ کا جواب یہ ہے کہ: ظالم! دیکھتی نہیں! میں تو اس وقت قریش کے

مردعزم ویقین کے ساتھ ہوں! اتنا کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں! تھوڑی دور جاتے ہیں تو سجا سجایا شیطانِ حسن و جمال سامنے نظر آتا ہے! یہ نئی نئی یہودن بننے والی فاطمہ بنت خُثعمی ہے! اپنے ساتھ گھر چلنے کی دعوت دیتی ہے مگر یوسف دوران اس شیطانی دعوت پر کوئی دھیان دیئے بغیر آگے نکل جاتے ہیں! عبدالمطلب چپ چاپ آگے آگے چل رہے ہیں مگران شیطانی وارداتوں سے بالکل بے خبر ہرگز نہیں! بس اپنے فرشتہ صفت نورِ نظر کے منہ توڑ جوابات سے خوش اور مطمئن ہیں!

بنوزہرہ کی حویلی ہے! وہب مرحوم کا چھوٹا بھائی وہیب سردار قریش اور ان کے منظور نظر کا استقبال کرتے ہیں! عبدالمطلب کی بات کو کون ٹال سکتا ہے؟ عبداللہ سے آمنہ کا نکاح ہو جاتا ہے تو اسی مجلس میں سردار قریش اپنے لئے ہالہ کا رشتہ بھی مانگ لیتے ہیں! آگے سے دوسری بات نہیں ہوتی! لیکن یہ شوق شادی نہیں ہے بلکہ قریش کے مردعزم ویقین کی دوراندیشی اور سوچا سمجھا فیصلہ ہے! کہیں ایسے نہ ہو کہ نبی منتظر کے لئے آمنہ کے بجائے ہالہ کی گود مقصود خداوندی ہو؟ از راہ احتیاط اسے بھی ایک ہاشمی کا ہی جوڑ ہونا چاہیے! یہ عبدالمطلب کی بڑی دور کی سوچ ہے! آخر صاحب نور بصیرت مردعزم ویقین ہیں نا!

اس وقت کے عرب معاشرہ میں ایک عجب سی ریت مقبول عوام ہو چکی تھی۔ شاید یہ بھی نظام قدرت کی تدبیر ہو کہ اس طرح قران السعدین کے لئے مسلسل تین راتیں محفوظ ہو جائیں! اس وقت کی عرب روایت کے مطابق شادی کے بعد ہر دولہا اپنی دلہن کے میکے میں ہی پہلی تین راتیں بسر کرنے کا پابند ہوتا تھا! کیا یہ سارا اہتمام عبداللہ اور آمنہ کی سہاگ رات کے لئے قدرت خداوندی کی تدبیر تھی؟ تین دن تین رات گذارنے کے بعد مہتاب قریش فارغ ہو کر اپنے سسرال کے گھر سے جب باہر آتے ہیں تو دنیا بدل چکی ہے! مگران کے خیال کے مطابق شاید ابھی نہیں بدلی تھی اس

لئے خیال آتا ہے کہ اس قتالہ بنت نوفل کی پیش کش کی حقیقت کیا تھی؟ جھانسہ اور فریب تھا یا سو اونٹ اور عارضی شادی کوئی سنجیدہ بات تھی؟ وہ پھر سر راہے اتفاقیہ مل جاتی ہے، پوچھتے ہیں: قتالہ وہ تمہاری سو اونٹ والی پیش کش کا کیا ہوا؟ وہ کہتی ہے: عبداللہ! تمہاری تو دنیا ہی بدلی ہوئی لگتی ہے، کہاں تھے تم؟ کیا ہوا تمہارے ساتھ؟ وہ بتاتے ہیں کہ بنو زہرہ کے ہاں شادی کر لی ہے، تین دن تین رات اپنی دلہن آمنہ بنت وہب کے ساتھ گذرے ہیں اور کیا خوب گذرے ہیں! مگر تم بتاؤ وہ تمہاری پیش کش اب بھی قائم ہے نا؟ اس موقع پر ظالم قتالہ بنت نوفل نے جواب میں ایک جملہ بولا! کیا عجب جملہ تھا! عربی زبان کی ضرب المثل ہی بن گیا! قتالہ نے کہا تھا: كَانَ ذٰلِكَ مَرَّةً أَمَّا الْيَوْمَ فَلَا! (یہ تو ایک دفعہ کی بات ہے مگر آج تو نہیں۔ (۱۷)

''مگر عبداللہ! یہ تو بتاؤ کہ ہماری گذشتہ ملاقات کے بعد سے آپ کہاں کہاں رہے؟''

یہ تھا اس قتالہ رہزن (ام قتال) بنت نوفل کا سوال!

حضرت عبداللہ کا صاف جواب تھا ''میری سیدہ آمنہ بنت وہب زہری سے شادی ہو چکی ہے اور یہ وقت میں نے اپنی دلہن کے ساتھ گذارا ہے!''

قتیلہ بنت نوفل بھی ایک شریف گھرانے کی عورت تھی، اس کا بھائی ورقہ بن نوفل بھی ایک مذہبی آدمی بلکہ اس وقت مکہ کا پادری تھا جس نے اپنی بہن کو صحفِ سماویہ کی مدد سے نبی منتظر کے متعلق سب کچھ بتانے اور سمجھانے کے ساتھ ساتھ اس ''چمک'' کی علامت کی پہچان بھی کرا دی تھی جو نور محمدی، علی صاحبہ الصلاۃ والسلام، کا امتیاز تھا اور جس سے اہل کتاب کے مخفی علوم جاننے والے مذہبی لوگ آگاہ تھے اور اسی نور کی چمک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک چہرے پر یوں پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنی اولاد کو اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے اور اس بارے میں کتاب عزیز میں بھی کھلی

صراحت موجود ہے! اس لئے قتیلہ نے بڑی صراحت اور پروقار انداز میں کہا (۱۸):

''انی، واللہ، لستُ بصاحبة ریبة، ولکنی رأیت نور النبوۃ فی وجهك فأردتُ ان یکون ذلك فِیَّ! و أبی اللہ إلا أن یجعله حیث جعله!'' یعنی میں کوئی مشکوک یا ایسی ویسی عورت نہیں ہوں! لیکن مجھے تو تیرے چہرے سے نورنبوت کی چمک دکھائی دی تھی، اس لئے میں نے چاہا تھا کہ یہ نور مجھ میں منتقل ہوجائے مگر یہ اللہ کی مرضی تھی کہ وہ اسے وہیں رکھے جہاں اس نے اسے رکھ دیا ہے!''

کہا جاتا ہے کہ اس غیر شریفانہ نکاح کے لئے قتالہ کی جسارت کا قریشی نوجوانوں کو بھی علم ہوگیا تھا انہوں نے اسے لعن طعن شروع کردی، تب اس قتالہ رہزن نے اس جسارت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا اصل سبب بھی ان شعروں میں بتایا (۱۹):

إنّی رأیتُ مَخِیلةً عَرَضَتْ فتلألأتْ بِجَناتِم القَطْرِ

فلِمائِها نُورٌ یُضِئُ لَهُ مَا حَوْلَه کَاضَاءَةِ الفَجْرِ

وَ رَأَیْتُه شَرَفًا أبُوئُ بِهِ مَا کُلِّ قَادِحِ زَنْدِ یُوْرِی

لِلّٰهِ مَا زُهْرِ یَّةٌ سَلَبَتْ ثوبیك مَا اسْتَلَبَتْ وَمَا تَدْرِی

ترجمہ: (۱) مجھے سامنے سے بادل کی طرح اٹھتا ہوا ایک خیال آیا اپنے اندر موسلا دھار بارش کی طرح چمک رہا تھا

(۲) اس بادل کے پانی کا نور تھا جو اس کے گردوپیش کو یوں چمکا رہا تھا جس طرح صبح روشن چمک اٹھتی ہے!

(۳) اس نور میں جو شرف واعزاز تھا اس کے سبب وہ بادل جھلکتا دکھائی دیتا تھا، اور چقماق کو زَند (آگ دینے والا پتھر) سے ٹکرانے والا ہر شخص بھلا چنگاری کب دیتا ہے!

(۴) ہائے اللہ! اس بنو زہرہ کی خاتون نے کیا چھین لیا؟! اس نے تو تیرا فخر والا لباس

چھین لیا ہے حالانکہ اس بیچاری کو تو کچھ خبر بھی نہیں ہے!

ابن سعد وغیرہ نے اس قتالہ رہزن قتیلہ کے چھ شعر اور بھی درج کئے ہیں جو اس نے اسی سلسلے میں کہے تھے، ان میں سے ایک آخری شعر یہ ہے (۲۰):

وَلَمَّا قَضَتْ مِنْهُ اُمَیْنَةُ مَا قَضَتْ نَبَا بَصَرِیْ عَنْهُ وَكَلَّ لِسَانِیْ

ترجمہ: جب اس (عبداللہ) سے آمنہ کا مقصد پورا ہو گیا تو پھر میری نظر سے وہ گر گیا اور میری زبان گونگی ہو گئی! (یعنی مجھے صدمہ ہوا اور بد حال ہو گئی!)

اصحاب سیر نے بنو خثعم کی ایک یہودیت زدہ یا نئی نئی یہودیت کے جال میں پھنسنے والی فاطمہ بنت مُر الخثعمی کا بھی ذکر کیا ہے جس کا حضرت عبداللہ کو سامنا کرنا پڑا تھا، اسے جب نور نبوت کی چمک دکھائی دی تو پوچھنے لگی: نوجوان! تم کون ہو؟ انہوں نے جب اسے نام وغیرہ بتایا تو کہنے لگی: اگر آپ کچھ وقت میرے ساتھ گذار سکیں تو اپنا حسن و جوانی تجھ پر نچھاور کر دوں اور سو اونٹ بھی آپ کی نذر کروں گی! یہ جاہلیت کے عارضی نکاح کی پیش کش ٹھکراتے ہوئے حضرت عبداللہ نے وہ رجزیہ جملے کہے تھے جو آپ پہلے یہاں دیکھ چکے ہیں کہ اما الحرام۔۔۔۔۔

یہ دو عورتیں اس وقت کے عرب معاشرہ کی نمائندگی کرتی ہیں جنہیں ظاہر ہے اس غرض کے لئے سکھلایا اور تیار کیا گیا، ان کا اپنا بظاہر کوئی قصور نہ تھا، مگر یہ نبی منتظر کی آمد کی اس ہنگامہ خیز فضا اور نور نبوت کے اس حاسدانہ تعاقب کا بھی آئینہ دار ہے جو یہودی احبار نے پورے مشرق وسطی خصوصاً شام و عراق اور یمن و حجاز مین شروع کر رکھا تھا اور جس کی تائید و تصدیق کتاب عزیز میں کلام ربانی سے بھی ہوتی ہے:

"اور جب اللہ تعالیٰ کی کتاب حق ان (یہود) کے پاس آ گئی جو ان کے پاس کے صحف مقدسہ کی بھی تصدیق کرتی ہے اور اس سے پہلے وہ کتاب حق لانے والے نبی کے حوالے سے کافروں پر غلبہ کی دعا بھی مانگا کرتے تھے لیکن جب وہ ان کے

پاس آ گیا اور اسے انہوں نے علامات سے پہچان بھی لیا تو اس کے منکر ہو گئے سو لعنت ہے منکرین حق پر (۲۱)'' اور پھر پندرہ صدیوں سے ان یہودیوں نے نبی منتظر کو بھی بالکل بھلا کر اسلام، اہل اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف وہی حاسدانہ ہنگامہ کھڑا کر رکھا ہے۔

ہوسکتا ہے کچھ ذہن ان باتوں کو قبول نہ کریں یا کچھ انقباض اور ناپسندیدگی محسوس کریں! راقم کی رائے میں کسی بھی ذہن کو یہ سب کچھ بلا چون و چرا مان لینے پر مجبور بھی نہیں کیا جا سکتا! بلکہ کچھ دیر کے لئے خود راقم کے ذہن کو بھی اسے یونہی قبول کر لینے میں تردد رہا اور ان باتوں کو یہاں ذکر کرنا مناسب نہیں لگتا تھا، خصوصاً اس وقت کے قریشی معاشرہ میں ان دو عورتوں کی عارضی نکاح کی خواہش اور کوشش لیکن عراقی عالم ڈاکٹر جواد علی اور علامہ آلوسی کے ہاں عرب کے جاہلی معاشرہ میں عورتوں کی آوارگی اور آبرو باختگی کے احوال پڑھ کر حیرت کے ساتھ کدورت بھی محسوس ہوئی تھی! کیا عرب دنیا کی عورت اس قدر پستی میں گر چکی تھی؟! لیکن جب میں نے یہ سوچا کہ ان سب باتوں کا تعلق تو عہد رسالت اور اسلام کی آمد سے پہلے کے زمانے سے ہے، پھر جب میں نے لندن اور پیرس کے مشہور مقامات پر سر بازار دن کی روشنی میں مغربی عورت کی آوارگی اور آبرو باختگی بلکہ فحاشی اور بے حیائی کو دیکھا تھا تو زمانہ جاہلیت کی عرب عورت (بلکہ حواء کی مسکین و مجبور بیٹی) کی مذکورہ کیفیت کا بھی یقین ہو گیا! بلکہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے مصری سکالر محمد قطب (سید قطب کے خاندان سے) کی مشہور زمانہ کتاب ''جاهلية القرن العشرين'' یعنی بیسویں صدی کی مغربی جاہلیت یاد آ گئی اور جی چاہا کہ اسے دوبارہ پڑھا جائے! تب مجھے یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر جواد اور شکری آلوسی کی تحقیق بھی درست اور قابل قدر ہے اور یہ بھی کہ اس وقت کے جاہلی معاشرہ میں قتیلہ بنت نوفل اور نئی نئی یہودن بننے والی فاطمہ خثعمی جیسی عورتوں کا وجود

اوران کی یہ حرکات تو معمول کی بات لگتی ہے بلکہ حواء کی یہ بیٹیاں تو مجبور تھیں جنہیں اس وقت کے یہودی مذہبی جنونیوں نے برین واشنگ کر کے انہیں اسی طرح اندھا کردیا تھا جس طرح ہمارے دور کے شیطانی معلمین برین واشنگ سے خودکش دہشت گرد تیار کر لیتے ہیں!

لیکن جب میں نے کتاب عزیز و غالب کی طرف رجوع کیا تو زندہ دفن کر دی جانے والی معصوم بچیاں دکھائی دیں (۲۲) اوران کی چیخیں بلند فضاؤں کو چیرتی ہوئی سنائی دیں تو ان گھٹیا مقاصد کے لئے مسکین بنت حواء کے استعمال کا نہ صرف یقین ہو گیا بلکہ معمول کی باتیں معلوم ہوئیں! مغرب کے نام نہاد مہذب انسان کی ہوس پرستی کے لئے حواء کی بیٹی کو فریب آزادی میں ڈال کر اپنا مطلب نکالنے سے تو سب آگاہ ہیں مگر جب یہی عورت اپنا سب کچھ لٹا کر بڑھاپے میں قدم رکھتی ہے تو گلی کے کتے سے بھی حقیر تر گند میں پھینک دی جاتی ہے! یہ منظر میری طرح کے بہت کم لوگوں نے دیکھا ہوگا! یہی رنگ ڈھنگ عرب کے جاہلی معاشرہ کی عورت کا بھی تھا!

پھر جب میں نے قرآن کریم کی سورت انفال کی وہ آیت پڑھی اور سمجھی کہ جو اس زمانے کے مکی معاشرہ میں ہوتا تھا اور خصوصاً بیت اللہ شریف کا طواف کرنے والے مرد اور عورتیں ''عبادت بجالاتے وقت'' کرتی تھیں! کتاب اللہ کے الفاظ ہیں: (۲۳)

''وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً یعنی بیت اللہ کے گرد ان کفار مکہ کی نماز اور عبادت صرف چڑیا کی آواز کی طرح سیٹی بجانا اور تالیاں پیٹنا تھا''۔

عالم امت اسلام سیدنا عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے عرب جب بیت اللہ کا طواف کرتے تو لباس اتار کر احرام کی دو چادریں باندھنے کا تکلف کرنے کے بجائے لباس اتار پھینکتے تھے اور ننگے طواف کرنے لگ جاتے! خلیل اللہ

علیہ السلام کے تعمیر کردہ خانہ خدا کے گرد ابراہیمی دعائیں پڑھنے کے بجائے صرف تالیاں بجاتے اور سیٹی مارتے ہوئے ناچتے جاتے تھے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت اور ذکر اللہ میں خلل ڈالنے کے لئے بھی یہی حرکات شروع کر دیتے تھے! اگر بیت اللہ کے طواف کے وقت جاہلی معاشرہ کی عبادت کے یہ رنگ ڈھنگ تھے تو صنف نازک کو قابو کرنے کے لئے ان کے سترہ قسم کے نکاح کے ہتھکنڈے تو معمولی بات ہے! پھر صنف نازک کی ہوس رانی اور اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرنے میں کیا رکاوٹ تھی! مذہب کے نام پر دوشیزاؤں کو عارضی نکاح کی تعلیم و تربیت دینا تو اس قسم کا کارِ خیر ہوتا تھا جس طرح آج کی دنیا میں خودکش بمباروں سے کام لیا جاتا ہے! جو کچھ قتالہ بنت نوفل اور فاطمہ بنت مُر خثعمی کرنے چلی تھیں وہ تو ''نورِ محمدی'' (علی صاحبہ الصلوات والسلام) کی لوٹ مار کا کام تھا! ان کے نزدیک تو یہ بہت بڑی نیکی کا کام اور قابلِ فخر بات تھی! ایسے میں یوسف زمان عبداللہ بن عبدالمطلب کا ان دونوں عورتوں سے ان کے مقاصد معلوم کرنا پھر عارضی نکاح کو ایک حرام فحاشی قرار دے کر مسترد کر دینا ان کی شخصیت کی عظمت و انفرادیت کی دلیل بھی ہے! یہ روش انہیں یوسف کنعان کے قریب لے آتی ہے، ولقد همت به وهم بها (وہ عورت زلیخا بھی یوسف کے ساتھ تیار ہو گئی اور وہ بھی اس کے ساتھ تیار (۲۴) ہو گئے تھے) مگر قدرت خداوندی نے عصمت یوسف کی حفاظت کا سامان کر دیا! عورت نے اپنا لباس اپنے بت پر ڈال دیا تاکہ وہ اسے نہ دیکھ پائے کیونکہ اس سے وہ شرمندہ ہوتی تھی، تب یوسف کنعان نے فرمایا اور شیخ شیراز نے ان کی فارسی شعر میں یوں ترجمانی کی کہ (۲۵):

تو در روئے سنگے شدی شرمسار مرا شرم ناید ز پروردگار

یعنی تو ایک پتھر کے سامنے شرمندہ ہے تو کیا میں اپنے حاضر و ناظر پروردگار سے نہ شرماؤں؟

نصف النہار پر غروبِ آفتاب

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب، سلام اللہ علیہما، کی شخصیت تاریخ انسانی کی غیر معمولی شخصیت ہے، ولادت سے وفات تک ان کی زندگی کے حوادث سب کے سب ہمیں غیر معمولی نظر آتے ہیں اور آخری غیر معمولی بات تو ان کے ہاں دریتیم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ولادت ہے جس نے دنیا کی تاریخ ہی بدل کر رکھ دی، تاریخی مصادر سے بصراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اپنی ولادت بھی غیر معمولی حالات میں ہوئی، احبار یہود چونکہ نور محمدی، علی صاحبہ الصلوات والسلام، کی گھات میں لگے ہوئے تھے(۱)، اور ان کی انتہائی خواہش اور کوشش رہی کہ اس نور کا ظہور ہی نہ ہونے دو اور اگر ہو تو پھر یہود بنی اسرائیل میں ہو، بنی اسرائیل سے باہر اس نبی منتظر کے ظاہر ہونے کے آثار وامکانات پر نہ صرف گہری نظر رکھی جائے بلکہ ان آثار اور امکانات کو معدوم ونابود کرنے میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے اور یہ بھی کوشش کی جائے کہ اس نور سرمدی کے ظہور کے لئے بنی اسرائیل میں سے ہونے کے امکانات بھی پیدا کئے جائیں (یہود کا سرزمین حجاز میں گھسنا بھی اسی لئے تھا، یثرب وخیبر پر قبضہ کے بعد وہ وادیٔ بطحاء کو بھی کسی نہ کسی طرح یہود کے تصرف میں لانا چاہتے تھے چنانچہ تجارت کے بہانے مکہ مکرمہ میں یہودیوں کے آباد ہونے کے لئے حیلہ جوئی کے واقعات اور اشارات بھی ملتے ہیں!(۲) مقصد یہ تھا کہ توراتی پیشین گوئی کی رو سے کوہ فاران اور وادیٔ بطحاء میں نبی منتظر کے ظاہر ہونے کی پیشین گوئی کو بھی یہود کے حق میں کر دیا جائے اور اگر غیر بنی اسرائیل میں سے پیدا ہو جائیں تو اس صورت میں قتل انبیاء کے

یہودی فارمولے پر عمل کیا جائے، قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰی یمکرُونَ!)

شام کے احبار یہود کو اپنی اٹکل پچو سے یہ اندازہ تو ہوا تھا کہ والد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہو گئے ہیں اسی لئے وہ انہیں قتل کرنے کی خاطر طویل سفر کر کے وہاں آئے تھے مگر نگرانی اور تحفظ کے سخت انتظامات دیکھ کر خائب وخاسر لوٹ گئے تھے! (۳)

اللہ تعالیٰ کے اس صالح اور اخص الخواص بندہ منیب عبداللہ بن عبدالمطلب کی زندگی کے تمام مراحل اور شخصیت کے تمام پہلو غیر معمولی نوعیت کے رہے ہیں، ولادت کا لمحہ ابھی آپ کے سامنے ہے، وہ غیر معمولی ظاہری اور باطنی حسن وجمال کے مالک بھی تھے، اپنے والد گرامی قریش کے مردِ عزم ویقین عبدالمطلب کے منظور نظر ہی نہیں تھے بلکہ وہ ہمیشہ انہیں اپنی عقابی نظر کے زیر نگرانی رکھے ہوئے تھے، حضرت عبدالمطلب کے لئے ان کی وہی حیثیت تھی جو یوسف صدیق کی حضرت یعقوب کی نظر میں تھی، والد کی نذر کی تکمیل کے لئے راہ اللہ میں ذبح کئے جانے کا جب مرحلہ آیا تو قرعہ فال انہی کے نام کا نکلا تھا اور خلق خدا کی زبان سے وہ ذبیح اللہ ہونے کا شرف پا گئے تھے اب جب رحلت الی اللہ کا وقت آیا تو یہ بھی ان کی زندگی کا غیر معمولی واقعہ اور عمر کا گویا نصف النہار تھا مگر اس مرحلہ میں غروب آفتاب کے احکام بھی نہائت غیر معمولی اور دل ہلا دینے والے تھے، وہ ابھی عنفوان شباب ہی میں تھے اور صرف اکیس یا پچیس سال کے تھے کہ اللہ جل جلالہ کی بے نیازی کی صدا پر انہیں لبیک کہنا پڑا، ان کی غیر معمولی اور غیر فانی نشانی بچہ اٹھارہ انیس سالہ سیدہ آمنہ کے بطن مقدس میں ابھی سات ماہ کی امانت تھی!

حضرت عبدالمطلب کو جب یقین ہو گیا کہ اب حاسد یہودیوں کی توجہ حضرت عبداللہ سے ہٹ کر سیدہ آمنہ، سلام اللہ علیہا، کے جگر گوشے پر مرکوز ہو چکی ہے اور یہ کہ

انہیں اب ان یہودیوں سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا تو دور اندیش باپ نے اپنے فرزند عزیز کو اپنے مُسلَّم آبائی کاروبار تجارت کی عملی تربیت کی خاطر شام و فلسطین جانے والے قریش کے تجارتی قافلہ کے ساتھ جانے کا حکم دے دیا، مقصود یہ تھا کہ ہاشم کا پوتا اور عبدالمطلب کا بیٹا اپنے باپ اور دادا کی جگہ لے سکے اور آنے والے وقت میں رحلۃ الشتاء والصیف (موسم سرما اور موسم گرما کے تجارتی سفروں کے لئے) یمن وحبشہ اور شام و فلسطین جانے والے تجارتی قافلوں کی قیادت بھی کر سکے! غالباً والد نے اپنے خوبصورت اور خوب سیرت بیٹے کو یہ بھی حکم دیا تھا کہ واپسی پر یثرب میں رک کر اوس وخزرج کے گلستانوں میں سے اعلیٰ قسم کی کھجور بھی لیتے آئیں (۵)، چنانچہ قریش کا یہ تجارتی قافلہ واپسی پر جب یثرب کے پاس سے گذرا تو حضرت عبداللہ راستہ میں وہیں رک گئے، کیونکہ بنو نجار کے سخی لوگ حضرت عبدالمطلب کے ننھیال (مگر حضرت عبداللہ یا حضرت عبدہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ننھیال وہاں نہیں تھے، کیونکہ حضرت عبداللہ کے ننھیال تو بنو مخزوم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخوال وننھیال بنو زھرہ تھے، یہ دونوں معزز اور عظیم قبیلے قریش مکہ کے مشہور قبائل میں سے تھے مگر ہمارے سیرت نگار سب کے سب ایک دوسرے کی پیروی میں حضرت عبداللہ اور ان کے فرزند عظیم وارجمند صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ننھیال کو بھی مکہ سے یثرب لے جانے پر ہی مصر چلے آتے ہیں) تھے مگر وہ عبدالمطلب کی آل اولاد کو بھی اپنے نواسے ہی سمجھتے تھے، اس لئے تو بنو ہاشم میں سے جو بھی یثرب جانے لگتا تو یہ نہ کہتا کہ میں بابا عبدالمطلب کے ننھیال کے ہاں جا رہا ہوں بلکہ اتنا ہی کافی سمجھ لیا جاتا کہ میں ننھیال جا رہا ہوں نہ کہ اپنے بابا بزرگ عبدالمطلب کے ننھیال جا رہا ہوں! گفتگو کی حد تک تو اس میں کوئی مضائقہ نہ تھا مگر کتب سیرت وتاریخ میں بھی یہی درج کر دینا خلق خدا کو ایک مغالطہ میں ڈالنے کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

لیکن ایک ماہ کا عرصہ بیت گیا، نہ حضرت عبداللہ خود آئے نہ عبدالمطلب کے ننھیال کے باغات کی کھجوریں پہنچ پائیں اور نہ کوئی خیر کی خبر آئی، تب حضرت عبدالمطلب نے اپنے سب سے بڑے بیٹے حارث کو، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ کے ماں جائے سگے بھائی حضرت زبیر کو، حالات معلوم کرنے کے لئے یثرب بھیجا، وہ جب یثرب پہنچے تو بنونجار نے غم کی خبر سنائی جو غالباً انہوں نے اپنے نواسے عبدالمطلب کو براہ راست سنانا مناسب نہ سمجھا تھا یا سنانے کے لئے اپنے اندر حوصلہ ہی نہ پایا تھا، بھائی کو بتایا گیا کہ یوسف وادیٔ بطحاء اور قریش کے مرد عزم و یقین عبدالمطلب کے گھرانے کے یکتائے روزگار عبداللہ تو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ہیں اور بنونجار کے ایک سردار نابغہ کی حویلی (دار النابغة) میں سپرد خاک بھی کئے جا چکے ہیں (٦)۔ یہ خبر جب مکہ مکرمہ پہنچی تو حضرت عبدالمطلب کو شدید صدمہ ہوا کہ ان کا سب سے پیارا اور سب سے زیادہ خوبصورت اور خوب سیرت بیٹا اپنے باپ اور دادا کی جگہ لینے اور قریش کے تجارتی قافلوں کی قیادت کرنے کے بجائے اللہ کو پیارا ہو گیا ہے! لیکن اس کا جو صدمہ سیدہ آمنہ بنت وہب زہری، سلام اللہ علیہا، کو ہوا اس کا اندازہ لگانا میرے اور آپ کے لئے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے! مرنے والے یکتائے روزگار عبداللہ کی سات ماہ کی امانت قریش کی انیس سالہ سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ پاکیزہ جوان بیوہ کے بطن مقدس میں ہے، عورت کے لئے بیوگی اس دنیا کی سب سے بڑی محرومی اور سب سے بڑا صدمہ ہوتا ہے لیکن یہ بیوگی اگر جوانی کی ہو اور ایک یتیم جان بھی پیٹ میں ہو تو غم اور صدمہ کا کیا عالم ہوگا؟ صرف چھ سات ماہ کی ازدواجی زندگی کے بعد ایک جواں سال حسن ظاہر و باطن سے متصف مہربان شوہر پردیس جائے اور واپس نہ آئے تو ایک جوان بیوی جو سب سے زیادہ المناک یتیمی کی ماں (یتیمی ایک المیہ ہے مگر جو یتیم ابھی ماں کے پیٹ میں ہی ہو تو یہ

یتیمی سب سے زیادہ المناک ہوتی ہے) ہونا مقدر ٹھہرے تو دکھ اور صدمہ کس درجہ کا ہوگا؟

یہ بھی یاد رہے کہ جس دن بنوزہرہ کی آمنہ اور بنو ہاشم کے عبداللہ کا ملاپ ہوا تھا اس دن سیدہ آمنہ خود کو وادیٔ بطحاء کی خوش نصیب ترین دلہن سمجھتی تھیں سہاگ رات جن کی دنیا قریش کے سب سے زیادہ خوبصورت اور خوب سیرت جوان شوہر سے آباد ہوگئی تھی اور ان میں باہمی شفقت و مودت کی بھی کوئی حد نہ تھی! ایسے مہربان شوہر کی جدائی کا صدمہ صرف سننے کی بات ہے برداشت کرنے کی نہیں ہے! حد یہ ہے کہ غم زدہ جوان بیوہ کا دکھ شعر کا روپ اختیار کر لیتا ہے چنانچہ سیدہ آمنہ اپنے شوہر کے مرثیہ میں کہتی ہیں (۷):

عَفَا جانبُ البطحاءِ من ابن هاشِمِ   وجاوَرَ لحدًا خارجا فی الغماغم
دَعَتْه المنايا دعوۃً فَاَجَا بَهَا   وماترکَتْ فی الناسِ مثل ابن هاشم
عشيةَ رَا حُوْا يحملون سريره   تُعَاوِرہ اصحابُه فی التزاحم
فَاِن يَكُ غالته المنايا وَرَيْبُهَا   فقد كان مِعطاءً كثير التراحم

(۱) وادیٔ بطحاء کے کسی گوشے میں بھی اب فرزند ہاشم (یعنی حضرت عبداللہ) دکھائی نہیں دے رہے کیونکہ انہوں نے دور کہیں ڈراونی جگہوں (قبر میں) میں بسیرا کرلیا ہے!

(۲) موت نے انہیں بلایا تو انہوں نے اس کے بلاوے پر لبیک کہہ دیا، اب دنیا میں اس ابن ہاشم جیسا تو کوئی بھی باقی نہیں رہا!

(۳) ایک شام تھی جب لوگ ان کا جنازہ اٹھائے چلے جا رہے تھے اور ان کے احباب بڑھ بڑھ کر ان کے جنازے کو کندھے دے رہے تھے!

(۴) سو اب اگر موت نے انہیں ہلاک کر دیا ہے تو کیا ہوا، ایک وہ وقت بھی تو تھا کہ

جب وہ سخاوت میں سب سے آگے تھے اور مہربانی کرنے اور ترس کھانے میں بھی ان کا کوئی ہم پلہ نہ تھا!

لفظ و معنی کی خوبصورتی کا سنگم یہ عربی زبان کے اشعار اپنی نسوانی شفقت و رحمت کے ترجمان بھی نظر آتے ہیں اور داغ مفارقت سے نڈھال کر دینے والے شفیق و مہربان شوہر کی تصویر بھی پیش کر رہے ہیں مگر ان میں نزاکت کے ساتھ عفت و پاکدامنی بھی جھلکتی ہے لیکن یہاں ایک غمزدہ اور مخلص رفیقہ حیات کی محبت اور احترام کی جلوہ گری بھی اپنا رنگ دکھا رہی ہے!

یثرب (جو مدینۃ النبی اور مدینہ منورہ بننے والا تھا) ہاشم اور آل ہاشم کے حوالے سے خصوصی اہمیت کا حامل شہر ہے، جب حضرت ہاشم بن عبدمناف بنوعدی بن نجار کی ایک بہادر اور حوصلہ مند خاتون سلمی بنت عمرو سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہو رہے تھے، یا جس وقت وہ عظیم خاتون پیٹ میں رہ جانے والے یتیم عامر یا شیبۃ الحمد کو ایک عرب ماں کی تربیت اور شفقت سے عمرو العلی ہاشم قریشی کا بہادر مگر مدبر اور عزم و یقین کا غیر متزلزل پہاڑ بنا رہی تھیں یا جب بنوعدی بن نجار کے لوگ یکتائے روزگار عبداللہ بن عبدالمطلب کو اپنے سردار نابغہ کی حویلی میں دفن کر رہے تھے تو انہیں کچھ احساس ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر قدرت خداوندی ان سب باتوں پر مسکرا رہی تھی کہ یہ سب باتیں سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریاست و نبوت کیلئے بنیادیں فراہم کر رہی ہیں جہاں سے تاجدار مدینہ نے دونوں جہانوں پر حکمرانی کرنا ہے۔

حضرت عبداللہ، سلام اللہ علیہ، اپنے دادا ہاشم کی طرح غریب الوطنی میں فوت ہوئے، فرمان نبوی کی رو سے وطن سے دور پردیس میں موت بھی شہادت کی موت ہوتی ہے، عبداللہ جو اپنے والد گرامی کے مسلک حنیفیت و توحید کے پیروکار تھے اور معصومیت و پاکدامنی میں بھی ان کا اپنا ایک طرہ امتیاز تھا پھر عین جوانی میں ہی اللہ

تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا تھا، اس لئے وہ بھی شہداء فی سبیل اللہ کے زمرے میں آتے ہیں، ہم میں سے اکثر نے یہ خبر تو بڑے ادب، احترام اور اہتمام سے پڑھی اور سنی ہوگی کہ وہ کبار صحابہ کرام جو عراق میں جہاد فی سبیل اللہ کے دوران میں شہادت سے سرفراز فرمائے گئے تھے اور پھر شرعی حکم کے مطابق خون آلود مجاہدانہ لباس میں ہی دفن کر دئے گئے تھے، ان کی قبریں دریا کی زد میں آ کر بہہ جانے والی تھیں اس لئے انہیں قبور سے اٹھایا گیا تو عام دنیا یہ دیکھ کر اور سنکر دنگ رہ گئی کہ ان کے مقدس اجسام صحیح وسالم تھے جیسے آج ہی شہید ہوئے ہیں! یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے والے نیک بندوں کی کرامت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کی شان کو بلند فرمایا ہے، یہ وہ اعزاز اور انعام ہے جو شہداء کرام کا مقدر ہے! دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان غیر فانی بندگان حق کو عزت وسربلندی عطا کرنے کا اپنی کتاب عزیز میں وعدہ فرمایا ہے (۹)۔

عجب تر یہ بات ہے کہ غریب الوطنی میں فوت ہونے والے یکتائے روزگار عبداللہ کی میت بھی چودہ صدیاں بعد ہی مدینہ منورہ میں نابغہ کی حویلی سے نکالی گئی تو وہ بھی اسی طرح صحیح وسالم تھی، حال ہی میں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی دوبارہ نئے خطوط پر تعمیر کرنے کا فیصلہ ہوا اور مرنے والوں کے احترام کے پیش نظر شہر کے اندر اس قسم کے پرائیویٹ قبرستانوں میں دفن اموات کو دوبارہ جنۃ البقیع میں دفن کرنے کی غرض سے قبروں سے نکالا گیا، جب حضرت عبداللہ کی میت نکالی گئی تو اس شہید غریب الوطنی کی میت بھی صحیح وسالم تھی جو وہاں موجود دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھی اور ذرائع ابلاغ نے اسے دنیا بھر میں نشر کر دیا، یہ خبر ایک پاکستانی اخبار کے صفحات میں آج بھی محفوظ ہے اور اس کی فائل سے دیکھی جا سکتی ہے (۱۰) جو من وعن اس طرح ہے:

"کراچی، ۲۰ جنوری (ج ک) یہاں پہنچنے والی ایک اطلاع کے مطابق مدینہ

میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلے میں کی جانے والی کھدائی کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی (حضرت عبداللہ، رضی اللہ عنہ) کا جسد مبارک، جس کو دفن کئے چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، بالکل صحیح وسالم حالت میں برآمد ہوا، علاوہ ان کے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انس بن مالک سمیت چھ اور صحابہ کرام کے جسد مبارک بھی اصل حالت میں پائے گئے، جنہیں جنت البقیع میں نہائت عزت واحترام کے ساتھ دوبارہ دفنا دیا گیا، جن لوگوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جسم نہائت تروتازہ اور اصلی حالت میں تھے"۔

ہمارے الحاج میاں محمد حنیف حسب معمول بلاناغہ پورا ماہ رمضان المبارک ہمیشہ مدینہ منورہ میں بسر کرتے ہیں اور عیدالفطر کے بعد واپس آتے ہیں، انہوں نے مجھے خود بتایا کہ وہ اس موقع پر حسن اتفاق سے وہاں حاضر تھے اور وہ اس تاریخی واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔(۱۱)

تاریخ وسیرت کے بعض مصادر میں حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب سے منسوب کچھ اقوال اور اشعار بھی دستیاب ہیں، ایک جگہ وہ فرماتے ہیں (۱۲)، (ان سے منسوب کچھ رجزیہ کلام تو ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں)۔

لَقَدْ حَكَمَ الْبَادُوْنَ فِي كُلِّ بلدةٍ بأن لنا فَضْلاً عَلٰى سَادَةِ الْاَرضِ

وَأَنَّ اَبِیْ ذُوالمجدِ والسُّوْدَدِ الَّذِیْ يُشَارُبه مَابَيْنَ نَشْزٍ إِلٰى خَفْض

(۱) یعنی ہر جگہ کے بادیہ نشیں عربوں کا یہ فیصلہ ہے کہ ہم بنو ہاشم کو تمام روئے زمین کے سرداروں پر فضیلت حاصل ہے

(۲) اور یہ کہ میرے باپ دادا (ہاشم وعبدالمطلب) عزت وسرداری کے مالک ہیں، لوگ دنیا کے ہر نشیب وفراز میں ان کی طرف انگلیاں اٹھاتے ہیں!

یوں شہر یثرب (جو آگے چل کر مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مدنیہ منورہ کہلانے والا تھا)

میں دار النابغہ (یا بنو عدی بن نجار کے سردار نابغہ کی حویلی) حضرت عبداللہ کے سفر کا آخری پڑاؤ اور مدفن تو بن گیا مگر یہ کہانی کا اختتام نہ تھا بلکہ آغاز و تمہید تھی، یہی یثرب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردادا ہاشم بن عبد مناف کا سسرال، آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کا ننھیال اور آپ کے والد گرامی کا جاں نثار میزبان و مدفن بنا، اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت میں اسے اسلام، اہل اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا، دار الہجرت ہونا طے تھا، حضرت نجاشی شاہِ حبشہ رضی اللہ عنہ کے دل کی یہ تڑپتی مچلتی آرزو تھی کہ نبی منتظر رسول اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دار الہجرت ان کا ملک حبشہ ہو (۱۳)، بقول ابن سعد خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب ترین دار الہجرت بھی حبشہ ہی تھا، اس کے لئے محب اور محبوب کے درمیان راز و نیاز کی مفاہمت (مگر کتمان اسرار کے عہد کے ساتھ) ہونے کے باوجود یثرب ہی دار الہجرت قرار پایا، کیونکہ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں کہاں رکھیں گے (۱۴)، یثرب اور اہل یثرب کے ساتھ بنو ہاشم کی دلی وابستگی اور اوس و خزرج کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مہاجرین کے لئے محبت پیدا کرنے والا خود خدائے قدیر و بصیر ہے! قدرت ربانی کا نظام غالب و نافذ ہوتا ہے! ایسے ہی تو اس نے اپنے فیصلہ اور نظام کو ظلم و شرک کی قوتوں کے علی الرغم غالب و نافذ کرنے کا عہد کر رکھا ہے جو پورا ہونا ہے اور ہو کر ہی رہے گا۔

قِران السعدین کا حاصل

اب یہ آخری مرحلہ ہے اس پاک ہستی کے ذکر طیب و معطر کا جو ربِ قدیر و خبیر کے ہاں تخلیق کائنات کا مقصود اول و آخر ہیں اور قران السعدین کا حاصل بھی، وہی جن کا صدیوں سے سب کو انتظار تھا اور جو سب کے لئے نبی منتظر تھے یعنی رسول عدل و امن، داعی توحید ربانی اور وحدتِ نسلِ انسانی، وہی پیغمبر مساوات و احترام آدمیت سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

گویا آخر کار وہ گھڑی بھی آ ہی گئی جس میں مجسم شفقت و رحمت بلکہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور پر نور مقدر تھا، وہی ایک نقطۂ تحوّل و تغیر جہاں سے تاریخ انسانی کا رخ صرف بدلتا ہی نہیں بلکہ اس کی صحیح سمت کا تعین بھی ہو جاتا ہے! وہی ہستی جن کے لئے اللہ رب العزت نے ازل میں محفل عہد و میثاق (۱) سجائی تھی، جو جناب احمد شوقی کے الفاظ میں لوح محفوظ کے باب رسالت میں فہرست انبیائے کرام کا سرعنوان اور حضرت فاضل بریلوی کے بیان میں ''بزم ہدایت'' کی شمع (۲) فیروزاں تھے! وہی محور امید و مرکز ہدایت اور سب کے نبی منتظر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو موحد اعظم ابراہیم خلیل اللہ، علیہ السلام، کی پیغمبرانہ دعائے مستجاب کا ثمر شیریں ہیں، وہی جو مردِ خدا موسیٰ کلیم اللہ، علیہ السلام، سے توراۃ میں کئے گئے وعدہ کا سچا نتیجہ اور جو سیدنا عیسیٰ روح اللہ، علیہ السلام، کی روشن ترین بشارت کا حقیقی مصداق ہیں! یہ اسی دعاء، اسی وعدے اور اسی بشارت کا حاصل تھا جس نے اہل کتاب کے ہاں چمکتی دمکتی بلکہ گرجتی گونجتی پیشین گوئیوں کا روپ دھار کر ایک ایسی فضاء بنا دی تھی جس میں ستائی ہوئی مخلوق خدا نے بڑی امیدیں لگا رکھی

تھیں، سبھی ایک نجات دہندہ، ایک فریادرس اور نبی منتظر کے انتظار میں تھے کہ دعائے خلیل اللہ، وعدہ کلیم اللہ اور بشارت روح اللہ، علیہم السلام، کب حقیقت کے روپ میں سامنے آئے، سب کو یہی انتظار تھا کہ آخرکار ماہِ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو پیر کی صبح کیا پیغام لاتی ہے: (۳)

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا دعائے خلیل اور نوید مسیحا!

اللہ تعالیٰ کے تین اولوالعزم نبی اور رسول ایسے ہیں جن سے نہ صرف تاریخ انبیاء میں ایک ہلچل پیدا ہوئی بلکہ تاریخ انسانی کا بھی رخ بدل کر اسے نئی اور صحیح سمت عطا ہوئی، سیدنا ابراہیم خلیل اللہ، علیہ السلام، نے نمرودیت کو شکست دے کر توحید باری تعالیٰ کو حقیقت روشن کی طرح سب پر عیاں کر دیا اور خدائی کے جھوٹے دعویداروں کو رسالت ابراہیمی کے دندان شکن دلائل نے لاجواب کر دیا، طاقت کے نشے میں خدائی کا دعوی کرنے والے رسوائی اور شرمندگی کے باعث لوگوں سے منہ (۴) چھپانے لگے تھے! پھر جب ضرب کلیمی کا دور آیا تو سیدنا موسی کلیم اللہ، علیہ السلام، نے فرعونیت کو سمندر میں ڈبو کر کمزوروں اور مستضعفین کو تخت الٹنے اور تاج اچھالنے کی انقلابی راہیں سجھا دیں، یہ ابراہیمی اور موسوی ضربات مؤمنانہ ایسی زوردار اور اثر انگیز تھیں کہ انہوں نے تاریخ انسانی کو اپنے اپنے دور میں مہمیز لگائی مگر انقلاب محمدی، علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام، تو نبوت و رسالت کی تاریخ میں ایک منفرد انقلاب تو تھا ہی مگر انسانی تاریخ کو بھی اللہ تعالیٰ کے اس تیسرے اولوالعزم نبی و رسول حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نے نہ صرف بدل کر رکھ دیا بلکہ انسانیت کو درس انقلاب بھی دیا! انسانیت کو پہلی دفعہ یہ تصور عطا ہوا کہ انقلاب کے پیچھے جب تک ایک منظم تحریک نہ ہو اور ہمہ گیر (Total Change) کا عزم نہ ہو تو بات نہیں بنتی اور کوئی انقلابی تحریک ہمہ گیر اور ہمہ جہت انقلاب نہیں لا سکتی اور تحریک اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اسے پختہ

فکر و عمل کے مالک تربیت یافتہ کارکن میسر نہ ہوں اور یہ کارکن خود بخود تیار نہیں ہوتے بلکہ تیار کرنے پڑتے ہیں، انسان خود بخود نہیں سنورتے سنوارنے پڑتے ہیں اور کردار خود بخود نہیں ڈھلتے ڈھالنے پڑتے ہیں، کبھی مکہ مکرمہ کے دار ارقم میں اور کبھی صفہ مسجد نبوی میں انہیں تربیت دی جاتی ہے تب کہیں جا کہ ہر میدان کے لئے وہ پر عزم اور سرگرم کارکن تیار ہوتے ہیں جو صرف ربع صدی کے اندر ہی ایک ہمہ گیر اور ہمہ جہت انقلاب برپا کر دیتے ہیں!

انقلاب محمدی، علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام، ایک ایسا ہمہ گیر و ہمہ جہت انقلاب ہے جو زمان و مکان کی قیود سے ماوراء ہے! یہ ایک انقلابی تحریک ہی نہیں بلکہ انقلابی فکر اور فلسفہ بھی ہے اور جس تحریک کی اپنی فکر اور اپنا فلسفہ اور لائحہ عمل ہوتا ہے اس کا راستہ نہیں روکا جا سکتا، وہ روکی نہیں جا سکتی البتہ وہ اپنا رستہ بدلتی رہتی ہے اور نئے سے نیا رنگ اختیار کرتی رہتی ہے! اس کی فکر میں اور اس کے لائحہ عمل میں ایسے پہلو، ایسے وسائل اور ایسی قوت ہوتی ہے جو نہ دب سکتی ہے، نہ رک سکتی ہے اور نہ اسے مٹایا جا سکتا ہے! یہی امتیازی شان ہے اس انقلابی اسلام کی جسے رسول اولین و آخرین اللہ کے تیسرے اولوالعزم نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نے صرف برپا ہی نہیں کیا بلکہ یہ امانت انسانیت کو سونپ دی ہے! دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجئے کہ انقلابی اسلام نے وقت کے ناپیدا کنار اور ہیبت ناک سمندر میں جو تلاطم پیدا کیا ہے اس کے مدوجزر ازلی و ابدی ہیں! یہ نہ کبھی تھمیں گے، نہ رکیں گے اور نہ روکے جا سکیں گے! آمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، توحید ربانی کے لئے نوید مسلسل ہے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ وحدت نسل انسانی کا اعلان واجب الاذعان بھی ہے! یہ شرک و بت پرستی کے ساتھ ساتھ فرعونیت اور طاغوتیت کے لئے بھی پیغام موت ہے (۵)۔

یہاں سے ہمیں یہ حقیقت بھی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ روز اول سے آج تک گذشتہ

پندرہ سو سال سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کچھ گروہ کیوں سرگرم ہیں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے معنی اور مفہوم بھی ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ "مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ" (جتنی اذیت مجھے پہنچائی گئی ہے اتنی اذیت اور کسی نبی کو نہیں پہنچائی گئی!) تمام بانیان مذاہب میں سے صرف ان پر ہی بے سروپا تنقید کیوں ہو رہی ہے! جب ڈھونڈھے سے بھی کوئی عیب نہیں ملتا تو خیالی خاکے بنا کر توہین کی ناپاک جسارت ہوتی ہے اور بار بار ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ صرف قرآن کریم ہی تو ہے جو ہر طرح محفوظ ہے! یہ صرف محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تو ہیں جن کی شخصیت تمام نقائص سے پاک اور جن کی سیرت حرف بحرف محفوظ ہے؟ یہ اسلام ہی تو ہے جو مستقبل کی حقیقی قوت اور طاقت ہے اور یہ بھی صرف مسلمان ہی تو ہیں جن کا ایمان پکا، غیر متزلزل اور ناقابل شکست ہے یہ دیکھ کر یہودی اور یہودیت زدہ عیسائی مارے حسد اور بغض کے جل اٹھتے ہیں اور اپنی بھڑاس نکالنے کے لئے سب کچھ کر گذرتے ہیں۔ علامہ اقبال (۶) نے بھی تو اسی شیطان کو پکڑا ہے جو ان سے یہ کہہ رہا تھا کہ:

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد　یہ پریشان روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ ہو
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے　جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ　کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے　مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے!!

ربیع الاول کی وہ سہانی صبحِ روشن دراصل میثاق ازل کے عہد ربانی کا ظہور پرنور تھا، جو اپنے جلو میں دعائے خلیل اللہ، وعدۂ کلیم اللہ اور بشارتِ روح اللہ، علیہم السلام، کا حسین امتزاج لئے نمودار ہوئی تو کائنات کا ذرہ ذرہ جگمگا اٹھا، افق افق ٹمٹما اٹھا اور روئے زمین کا گوشہ گوشہ مسکرا اٹھا، پرندے چہچہا رہے تھے، شجر و حجر کھلکھلا رہے تھے اور انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئی تھیں، ہمارے شعراء نے اس صبح روشن کے جو شاعرانہ

تخیلات پیش کئے ہیں، ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ماہ ربیع الاول کی بارہ کے اس پیر کی صبح مسرت کو کائنات کس قدر خوش ہوئی ہوگی؟ اس کا کچھ تخیل اور تصور کوئی شاعر ہی کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ جناب احمد شوقی جیسا مومن ہو اور حضرت احمد رضا جیسا سچا عاشق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی ہو!

اس پر مسرت گھڑی اور قران سعدین کے اس پاکیزہ ترین حاصل کے ظہور پرنور کے لمحے کا ایک شاعرانہ تخیل وتصور مصر کا عظیم قومی شاعر اور بلند پایہ عربی نعت گو حضرت احمد شوقی پیش کرتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ آمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا زندہ جاوید لمحہ، فرش تا عرش، پوری کائنات کے لئے نوید عزت وآزادی تھا! ایک غلغلہ تبریک تھا جس میں انسانوں کے ساتھ ساتھ جن و ملک، شجر و حجر سب شریک تھے اور خوشی سے جھوم کر گا رہے تھے: (۷)

وُلِدَ الْهُدٰى فَالكَائِنَات ضِيَاءٌ وَفَمُ الزَّمَانِ تَبَسُّمٌ وَ ثَنَاءٌ

ترجمہ: جس مبارک گھڑی میں اس ہستی نے جنم لیا جو مجسم ہدایت ہیں تو پوری کائنات سراپا نور بن گئی، اور زمانے کا یہ عالم تھا کہ وہ بھی سراپا تبسم اور سرتاسر ستائش بن گیا تھا (شاعر نے یہاں بیک وقت عربی کے چار مصدر استعمال کئے ہیں اور مصدر ہمیشہ کثرت کو ظاہر کرتا ہے اور دوام پر دلالت کرتا ہے، جیسے سراپا ہدایت، سراسر ضیاء، مجسم مسکراہٹ اور سرتاسر ستائش)۔

اَلرُّوْحُ وَالْمَلأُ الْمَلَائِكُ حَوْلَهٗ لِلدِّيْنِ وَالدُّنْيَا بِهٖ بُشَرَاءُ

ترجمہ: روح الامین حضرت جبریل اور ان کے ہمراہ ملائکہ کی پوری محفل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی دین ودنیا (راہ اعتدال) دونوں کو خوشخبریاں سنا رہے تھے!

نُظِمَتْ اسَامِي الرُّسْلِ فَهِيَ صَحِيْفَةٌ وَ اسْمُ مُحَمَّدٍ فِيْهَا طُغْرَاءُ

ترجمہ: تمام رسولوں کے نام ایک صحیفہ میں مرتب کر دیئے گئے تھے جن میں حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم پاک سرعنوان کے طور پر خط طغراء میں (خوشخط) حرفوں میں لکھا ہوا موجود تھا!

حضرت شوقی مرحوم کا یہ شاعرانہ تخیل دراصل کتاب عزیز قرآن کریم میں مذکور اس محفل ازل سے متاثر یا ماخوذ لگتا ہے جو عالم لاہوت میں منعقد ہوئی اور جس میں اللہ جل جلالہ کے حضور میں تمام انبیائے کرام کی ارواح مقدسہ حاضر تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لے کر رسول اول و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کا اعلان فرمایا تھا، یوں ختم نبوت پر مُہر ربانی ثبت فرمائی گئی تھی اور سب نے اس حکم ربانی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تھا! ازل کی یہ محفل بھی انوکھی تھی، اس کے شرکاء بشمول میر محفل سب انوکھے تھے، اس کا منظر بھی انوکھا تھا اور اس کی قرآنی منظر کشی بھی انوکھی ہے مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا فیصلہ اور پیغام بھی انوکھا ہی تھا! تصور کیجئے کہ وہ لیس کمثلہ شیء کے مصداق اللہ رب العزت عرش بریں پر جلوہ افروز ہیں، لوح محفوظ کا باب رسالت اور نبوت سامنے کھلا ہے، اس باب میں از آدم تا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام رسل و انبیاء کے اسمائے پاک ایک ترتیب سے لکھے ہوئے ہیں، اس مرتب فہرست کا سرعنوان ہے "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" جو بقول احمد شوقی خط طغراء میں نہایت نمایاں طور پر خوشخط لکھا ہوا ہے، یہ فہرست اسی طرح مرتب تھی جس طرح تمام انبیائے کرام اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی امت کے لئے مبعوث ہو کر آتے رہے! ایسے میں اللہ جل شانہ ارواح انبیاء سے مخاطب ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اے ارواح انبیاء! اس باب میں یہ فہرست اسماء دیکھ رہے ہو نا؟ میں نے تمہیں اسی ترتیب سے کتاب و حکمت کے ساتھ مبعوث کرتے رہنا ہے! ہر نبی و رسول نے اپنی قوم تک میرا پیغام پہنچاتے جانا ہے! پھر آخر میں وہ رسول اعظم و خاتم آئے گا جس کا نام تم اس فہرست میں سرعنوان کے طور پر لکھا دیکھ رہے ہو! مگر اس کا پیغام صرف اس کی قوم تک محدود نہیں ہوگا بلکہ وہ تو تمام عالم

انسانیت کے لئے آئے گا اور اس پر میرا پیغام بنام انسان بشکل قرآن بھی مکمل ہو جائے گا! یوں یہ رسول اول و آخر بھی ہو گا لیکن اس ضمن میں دو باتیں اہم ہیں جو خصوصیت سے ذکر کر رہا ہوں، ایک تو یہ ہے کہ میرے اس محبوب رسول نے میری توحید کا ڈنکا بجانا ہے، اس نے نہ صرف یہ کہ تمہاری نبوتوں کی تصدیق کرنا ہے بلکہ تم سب کا، بلا تفریق و امتیاز، وقار و احترام بھی سب سے منوانا ہے! مگر دوسری یاد رکھنے والی خصوصی بات یہ ہے کہ اگر تم میں سے کوئی بھی اپنی تبلیغ نبوت کے میدان عمل میں ہو اور یہ رسول اعظم و خاتم آجائے تو پھر تم میں سے ہر ایک نے اپنا کام مکمل سمجھتے ہوئے نہ صرف ان کی مدد اور تائید کرنا ہو گی بلکہ اس پر ایمان بھی لانا ہو گا اور اس کی اطاعت بھی کرنا پڑے گی!

یہاں سے ہمیں ایک تو یہ فرمان نبوی بھی سمجھ آتا ہے کہ اب اگر موسیٰ بن عمران بھی آجائیں تو انہیں بھی میرا ہی اتباع کرنا پڑے گا اسی طرح اس سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ اگر سیدنا مسیح ناصری یا کوئی اور رسول رب العالمین کہیں سے بھی تشریف لے آئیں تو ان کا کام بھی اب صرف اتباع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہو گا اور بس! تو گویا اب اس فہرست انبیاء میں تغیر و تبدل حکم ربانی سے ممنوع و حرام ہے اور اگر کوئی بھی ایسا کرنے کی جسارت کرے گا تو وہ ملعون اور فاسق و فاجر اور اللہ کا نافرمان ہے!

یہاں معروف و متداول فرمان نبوی کی اہمیت و حقانیت بھی ہمیں بخوبی معلوم ہو جاتی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہوتا ہے کہ میں تو اس وقت بھی نبی تھا جب آدم، علیہ السلام، ابھی مٹی اور پانی کے درمیان تھے (کُنْتُ نَبِیًّا وَ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَ الطِّیْنِ) اور اس کے ساتھ ہی یہ صحیح حدیث بھی شامل کر لیجئے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے'' (أَنَا خَتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ)، چنانچہ آپ نے ایک موقع پر اپنے اسمائے مبارکہ کا تذکرہ فرمایا، اور اس

حدیث کو صحاح ستہ (۸) میں قبول کیا گیا ہے، ارشاد نبوی اس طرح ہے کہ: میں محمد اور احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں، اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ میں "الماحی" بھی ہوں جس کے طفیل میرے رب نے شرک و بت پرستی کو دنیا سے محو اور نابود کرنا ہے (گویا شرک و بت پرستی پر ضرب کاری آپ ہی نے لگانا تھی جو لگا دی گئی، جزیرہ عرب سے شرک بھی مٹ گیا اور بت پرستی ہی نہیں بت ہی نیست و نابود کر دیئے گئے!) اور یہ بھی فرمایا کہ میں "العاقب" بھی ہوں یعنی میں تمام نبیوں کے بعد آنے والا ہوں اور میرے بعد کوئی نہیں آنا، (امام زہری نے کہا ہے کہ العاقب الذی لیس بعدہ نبی یعنی عاقب وہ ہے جس کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا)۔

یہاں جس حقیقت کو حضرت احمد شوقی لوح محفوظ کے باب نبوت و رسالت میں تمام اسمائے انبیاء کرام، علیہم السلام، کو فہرست سے تعبیر کر رہے ہیں، ہمارے منفرد و بے مثل نعت گو اور مدح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محو و مستغرق حضرت فاضل بریلوی، رحمۃ اللہ علیہ، اسے ازل میں سجی ہوئی "بزم ہدایت" سے تعبیر کرتے ہیں اور اس بزم کی شمع فیروزاں حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، فرماتے ہیں (۹):

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام!

ازل کے مقام اَلَسْتُ میں ارواح انبیاء کی بزم ہدایت کی طرح تمام اولاد آدم کی ارواح کی مجلس بھی برپا ہوئی تھی اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے یک زبان ہو کر "بلیٰ" (ہاں!) کہہ کر اقرار کیا تھا تب اللہ تعالیٰ نے انہیں خبردار کرتے ہوئے فرمایا تھا (۱۰) کہ:

"اے اولاد آدم! اب ہو گا یوں کہ تمہارے پاس تم ہی میں سے میرے نبی آتے رہیں گے! اور میری آیات احکام تمہیں پڑھ کر سناتے رہیں گے، سو اب جس جس، نے تم میں سے تقویٰ کی راہ اپنالی اور نیک کام کرتے رہے تو انہیں نہ خوف ہوگا

اور نہ وہ غمگین ہوں گے!''

احمد شوقی کے اس شاعرانہ تخیل کے متعلق تو یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن حضرت فاضل بریلوی کی ''بزم ہدایت'' تو یقیناً وہی بزم ازل ہے جو عالم لاہوت میں سجی تھی اور جسے کلام ربانی نے کتاب عزیز کی زینت بنایا ہے ذرا چشم تصور میں لائیے کہ عالم لاہوت ہے، کلکِ قضا نے لوح محفوظ سے باہر نہ ابھی کچھ لکھا ہے، نہ کسی شی کو کن فیکون فرمایا ہے، اول ما خلق اللہ نوری (میرے اللہ نے جو چیز سب سے پہلے تخلیق فرمائی وہ میرا نور تھا!) کا مرحلہ ہے، تمام انبیائے کرام کی ارواح مقدسہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہیں، رب کائنات نے انہیں بتانا یہ ہے کہ جس ترتیب سے یہاں اس صحیفہ لوح محفوظ کے باب رسالت میں تم سب کے نام تحریر ہیں، اسی ترتیب سے تم نے منصب رسالت سنبھالتے جانا ہے، اس فہرست کا سرعنوان خط طغراء میں تم دیکھ رہے ہونا! یہ میرے محبوب پیغمبر ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کا اسم پاک ہے، جو خلق اور وجود میں تو سب سے اول ہیں مگر بعثت وظہور میں وہ سب سے آخر میں آئیں گے، اسی لئے وہ رسول اولین وآخرین کہلائیں گے! میں نے تمہیں کتاب وحکمت کا حامل بنا کر منصب نبوت پر فائز تو کر دیا ہے، جو بہت ہی بھاری ذمہ داری ہے جسے تم نے بحسن وخوبی اٹھانا اور نبھانا ہے، تبلیغ رسالت کے لئے تمہاری محنت پھل لائے گی، نیک روحیں تمہاری باتیں مانیں گی مگر بدروحوں کو اس سے انکار ہوگا! مگر تم نے اپنا کام کئے جانا ہے! حتیٰ کہ سب سے آخر میں اس رسول اعظم وخاتم کی آمد ہو گی! انہوں نے ہی تمہاری تصدیق کرنا ہے اور تم سب کا احترام اور مقام بھی انہوں نے ہی دنیا کو بتانا اور منوانا ہے! اس لئے اگر حسن اتفاق سے وہ تم میں سے کسی کے زمانے میں آجائیں تو سمجھ لینا کہ تمہارا فرض تبلیغ ادا ہو گیا، اب تم نے صرف ان کی بات ماننا ہے، ان پر ایمان لانا ہے اور خود بھی اور اپنے پیروکاروں کو بھی ان کی پیروی اور حمایت کرتے ہوئے ان کا ہی

حکم ماننا ہے، ان کی نصرت وحمایت کرنا ہے اور بس! تو کیا تم اس کا وعدہ کرتے اور اس کا اعتراف واقرار کرتے ہو؟ سب ارواح انبیاء نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم نے اس کا اقرار کیا! تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس پر گواہ رہنا اور میں بھی اس کی گواہی دینے والوں میں شامل ہوں، ہاں تو اب جو اس عہد سے پھر گیا تو وہ نافرمان ہے!

آیئے اب ذرا دیکھتے ہیں کہ کتاب عزیز اس لاہوتی محفل ازل یا بقول فاضل بریلوی اس ''بزم ہدایت'' کا منظر کس طرح پیش کرتی ہے، اور دیکھتے ہیں کہ کہاں شاعرانہ تخیلات اور کہاں اس کلام ربانی کی معجزانہ فصاحت وبلاغت (۱۱)!

''وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨١﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٨٢﴾''

اردو ترجمہ: ''اور (ازل میں سجنے والی بزم ہدایت کا منظر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ) جب اللہ تعالیٰ نے ان ہادیان انسانیت کی ارواح مقدسہ سے عہد لیتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ تو اب طے ہے اور تم خود بھی دیکھ رہے ہو کہ میں نے تمہیں کتاب و حکمت کا حامل تو بنا دیا ہے اور اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی امتوں کو یہ پیغام کتاب و حکمت تم نے سنا ہی دینا ہے، مگر یہ یاد رکھو کہ جب تمہاری تصدیق کرنے والا وہ رسول اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہو کر آ گیا تو تم نے اس پر لازمی ایمان لانا ہو گا، اور اس کی تائید کرنا ہو گی تو کیا تم یہ عہد نبھانے کا اقرار کرتے ہو؟! تم نے میرا حکم بھی سن لیا ہے؟ تو سب نے یہ کہا کہ ہاں ہم اس کا اقرار کرتے ہیں! تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا تو اس پر تم بھی گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ اس پر گواہ رہنے والوں میں شامل ہوں! تو اب اگر اس عہد سے کوئی پھر گئے تو وہ سب نافرمان ہوں گے!''

اس محفل ازل یا بزم ہدایت کی قرآنی منظر کشی آپ نے ملاحظہ فرمائی؟ کیا اہتمام ہے رب کائنات کا اپنے مقصود کائنات کے حوالے سے! اور کیا توجہ ہے ان نفوس قدسیہ پر جو ازل ہی میں منصب نبوت ورسالت کے لئے چن لئے گئے تھے مگر کتنا پیار ہے اس کو اپنے حبیب پاک سے کہ انسانی ہدایت کے سفر پر روانہ کرنے سے پہلے مسافران تقدس وہدایت سے اس کے لئے عہد اطاعت بھی لیا جارہا ہے لیکن فکرمندی ہے قافلۂ انسانیت کے متعلق کہ کہیں یہ شیطانی رہزنوں کے ہاتھوں لٹتا نہ رہے!! چونکہ بزم ہدایت کے بزرگ نبی کاروان اشرف المخلوقات کی ابتدائی درجوں کی تعلیم و تربیت کے مشکل اور صبر آزما کام کے لئے تھے اس لئے انہیں حوصلہ رکھنے کی تلقین بھی فرمائی گئی مگر ساتھ ہی تسلی بھی دی گئی کہ یہ آنے والا ضرور آئے گا، تمہاری جفاکشی وجان فشانی کی تصدیق بھی کرے گا اور سب سے تمہارا ادب واحترام بھی کروائے گا، تمہارا مرتبہ ومقام بھی سب سے منوا کر چھوڑے گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میری پہچان بھی صحیح معنی میں اسی نے کروانا ہے اور شرک وبت پرستی پر حق کی ضرب کاری سے میری توحید کا نغمہ بھی اسی کے آنے پر بلند ہوگا اس لئے اس کے آجانے کے بعد تمہاری ذمہ داری مکمل ہوگئی، طلوع آفتاب کے بعد چاند ستاروں کا کیا کام؟ مگر اس کی ضیا پاشی کی تائید وحمایت تم سب کو کرنا ہوگی! قدرت ربانی کے نظام ہدایت کے یہی تقاضے ہیں! یہ تقاضے پورے کرنا ہوں گے اور بزم ہدایت کے نظام ربانی کی مخالفت بغاوت و نافرمانی ہوگی! ڈیڑھ ہزار سال سے کبھی کذاب اور افتراء پرداز پیدا کر کے اور کبھی خیالی توہین کے خاکے تیار کر کے ان تقاضوں کی خلاف ورزی کی شیطانی ستم رانیاں کاروان ہدایت کا رستہ روکنے کے لئے سردھڑ کی بازی لگا رہی ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں سے اسلام اور حب رسول چھین لی جائے (۱۲)

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا روح محمد اس کے بدن سے نکال دو

فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دین کا ہے یہ علاج ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہل حرم سے ان کی روایات چھین لو آہو کو مرغزار ختن سے نکال دو

ہمیشہ سے آج تک کوشش رہی یہود کی کہ نور محمدی، علی صاحبہ الصلوات والسلام، کا ظہور پرنور نہ ہو، اگر ہو جائے تو دبوچ لو، مکہ سے نکلوا دو، ہجرت کے بعد دنیا میں عدل وامن کا قیام، آزادی ومساوات کی تحریک کو ناکام بنا دو، روم وفارس کو ابھارو کہ آپس کی بیکار جنگ کو بند کرو اور انہیں نوزائیدہ اسلامی ریاست پر ٹوٹ پڑنے کے لئے آمادہ کرو، اسلامی دنیا پر صلیبی طوفان بدتمیزی مسلط کر دو، استشراق واستعمار کو مہمیز لگاؤ، سرخ سامراج سے کہو کہ آگے بڑھ کر عالم اسلام کو مسل دو، تہذیب مغرب کے لئے خطرہ کے نام سے تہذیبوں کے تصادم کا ڈھکوسلا گھڑ کر کے کسی بہانے سے انکل سام کی اندھی فوجی طاقت سے اسلامی دنیا کو کچل کر غلام بنا لو! قرآن، اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اوچھے ہتھیاروں سے کام لو! مگر ہوا کیا؟ اور ہو کیا رہا ہے اور ہو گا کیا؟ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ معاندانہ کوششیں ہی تو غلبہ حق کے لئے معاونانہ کام ہیں، اس لئے تو شاعر کہتا ہے:

تندئ باد مخالف سے نہ ہو حیراں عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے!

نور محمدی، علی صاحبہ الصلاۃ والسلام، اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتا رہا اور آخر کار بنو ہاشم و بنو زہرہ کا قران سعدین ہو کر رہا اور اس کا پاکیزہ ترین حاصل ہدایت بشریت اور رحمۃ للعالمین بن کر سب کے سامنے آ گیا! غار حراء سے روانہ ہونے والے کاروان حق کا یہ آفتاب عالمتاب رواں دواں ہے! ازل سے ابد تک یہ یونہی رواں دواں رہے گا! اس کا تحفظ وبقا اس قادر مطلق کے قبضہ قدرت میں

ہے اور قاہر غالب بھی وہی ہے، اس کا وعدہ ہے کہ ''فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا'' (اے حبیب پاک! آپ تو ہماری نظروں میں ہیں!) اسی نے ''لیظهره علی الدین کله'' (تمام نظاموں پر اسی نے اپنے نظام قدرت کو غالب و فتح مند بنانا ہے!) بس آج ضرورت اس بات کی ہے کہ توہین رسالت و اسلام کے ان چھچھورے حملوں کے جواب میں حکمت و تدبر اور ہوش و خرد سے کام لیا جائے! طریقہ یہ ہے کہ جب بات کرنا ہو تو آج کی زبان میں ہی کی جائے، آج کی اسلام مخالف دنیا کے سیاستدان نام نہاد ڈپلومیسی کی زبان میں بات کرتے ہیں جسے منافقت اور ریاکاری کہتے ہیں، اندر سے پورے پورے مذہبی بلکہ متعصب اور جنونی ہوتے ہیں اور اپنے مذہبی لوگوں کی پوری پوری سر پرستی کرنے کے باوجود خود کو سیکولر اور غیر جانبدار ظاہر کرتے ہیں، ہمارے اہل علم و دانش کو اسلام مخالف دنیا کا جواب دینے کے لئے آج کے ذرائع علم اور سائنس استعمال کرنا چاہیے، پرامن اور پروقار احتجاج کریں مگر توہین آمیز اقدامات کا جواب بھی مشتعل ہو کر نہ دیں بلکہ اسلامی بردباری اور ٹھنڈے مزاج سے ایسی بات کریں جو آج کے روشن ذہن اور مذہب بیزار مغرب کو مزید متنفر کرنے کے بجائے کچھ سوچنے پر مجبور کر دے، مثلاً نبی پاک کی گستاخی کرنے والے نے مغرب کے اسلام مخالف اور مذہب بیزار انسان کو چونکا تو دیا ہے اب آپ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی زبان میں کسی مؤثر تحریر کو کتابی شکل میں یا سکرین کے ذریعہ سیرت و اخلاق نبوی سے آگاہ کریں اور یہ بتائیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کی شان کس طرح بلند کی ہے یا دنیا کو سب سے پہلی بار مذہبی تصادم کے بجائے مذہبی رواداری کا نظریہ کس نے دیا اور اس پر عمل بھی فرمایا، اسی طرح قرآن کریم کی توہین کرنے والے کے جواب میں دنیا کو یہ بتائیں کہ یہ قرآن عزیز آج کے انسان کو کیا کیا دیتا ہے، چونکے ہوئے مغربی لوگ آپ کی بات پر ضرور توجہ دیں گے، ہمارے

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ آپ کے خادم اولیاء اللہ نے بھی تو اسی طرح کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

اصل طاقت حسن اخلاق ہے اور حقیقی فتح بھی اخلاقی فتح ہوتی ہے! جب سے مسلمان محاسن اخلاق سے محروم ہوا ہے اس وقت سے وہ محاسن اعمال میں بھی دیوالیہ ہو گیا ہے اور مسلمان کی یہ حالت اس لئے ہو گئی ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکارم اخلاق و محاسن اعمال کو فراموش کر دیا ہے!

قرآن کریم کی سورت آل عمران کی آیات (۸۱-۸۲) جہاں آفتاب رسالت کے طلوع ہونے کی روح پرور اور ایمان افروز صبح کا منظر پیش کرتی ہیں اور جو احمد شوقی اور مولانا! احمد رضا، جیسے ہمارے شعرائے عشاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کے لئے ماخذ و مصدر بلکہ معجزانہ فصاحت و بلاغت کا سر چشمہ رہی ہیں وہاں یہ مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ ختم نبوت کے نا قابل شکست اور دندان شکن دلائل کا بھی ایک ذخیرہ پیش کرتی ہیں جو یوں ہیں:

ا۔ جن ہستیوں کو اللہ جل شانہ نے مناصب نبوت و رسالت سے نوازنا تھا ان کی مکمل فہرست لوح محفوظ میں ثبت کر دی گئی تھی اور یہ بھی وہاں پر عیاں تھا کہ اس فہرست کا سر عنوان بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اس کا حرف آخر بھی وہی ہیں، یوں اس میں مزید اندراج کی گنجائش ہی نہیں ہے اور جو بھی اس میں گھسنے کا دعوی کرے گا اس پر بھی کذب و افتراء کی سزا کے گرز برسائے جائیں گے! اس حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خوبصورت تمثیلی انداز میں واضح فرما کر سب کے منہ بند کر دیئے ہیں، آپ نے فرمایا تھا کہ رسالة الله الى البشر یعنی انسانیت کے نام اللہ تعالیٰ کی رسالت و نبوت کو ایک عمارت کی مانند سمجھو جو ہر طرح مکمل تھی مگر ایک آخری اینٹ کا گیپ رہ گیا تھا اور وہ آخری اینٹ میں ہوں جس سے پروردگار نے نبوت اور رسالت کی اس

عمارت کو مکمل کر دیا! اب وہاں مزید کسی اور کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

۲۔ اب اس حکم ربانی کے بعد نہ تو لوح محفوظ میں اس فہرست کے وجود کا انکار ممکن ہے اور نہ اس میں کوئی بھی شیطانی طاقت خلل ڈال سکتی ہے نہ کوئی تغیر و تبدل کر سکتی ہے! جو ایسا کرے گا وہ چور اور ڈاکو متصور ہوگا، اللہ رب العزت کے فرمان کی رو سے ایسا شخص فاسق و فاجر، قانون شکن اور نافرمان ہے اس لئے وہ مردود و مسترد ہے۔

۳۔ یہ فہرست قضائے ربانی کے قلم قدرت کا اعجاز ہے، لکھنے والے نے جو اسمائے گرامی درج کرنے تھے وہ کر دیئے اور ان کی تصدیق کرنے والے بھی تصدیق فرما کر رفیق اعلیٰ کے پاس جا چکے! اب یا تو اس لکھنے والے کے علاوہ کسی اور اعلیٰ و برتر لکھنے والے کا پتہ بتاؤ اور پھر اس تصدیق کرنے والے کو بھی واپس لانے کا رستہ اور وسیلہ بتا دو۔

۴۔ سیدنا مسیح علیہ السلام سمیت تمام انبیائے سابقین اپنا فریضہ تبلیغ ادا کر کے سبکدوش بھی ہو چکے اور ان سب کی رسول مصدق نے تصدیق بھی فرما دی، ان میں سے اب اگر کوئی بقید حیات موجود ہے اور اس نے طبعی وفات کے لئے دنیا میں دوبارہ آنا بھی ہے (جیسا کہ سیدنا مسیح علیہ السلام کے متعلق بتایا جاتا ہے) تو اس کے ذمہ نبوت کا کوئی کام اب نہیں رہا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو دوبارہ یہ بار امانت اٹھانے کا پابند نہیں بنایا اور ان اللہ لا یخلف المیعاد اور فلن یخلف اللہ عھدہ (نہ وہ وعدہ خلافی فرماتا ہے اور نہ اپنا عہد نبھانا چھوڑتا ہے)

۵۔ ختم نبوت کے دیگر قرآنی و حدیثی دلائل اپنی جگہ برحق اور قائم ہیں، مگر سورت آل عمران کی یہ دو آیات اپنے اندر جو قوی اور ناقابل شکست دلائل لئے ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سیدنا مسیح علیہ السلام کی مثال کو لے کر خدا کے نافرمان اور عہد ازل کو توڑنے والے جو رخنہ تلاش کرتے ہیں وہ تو ایک مضحکہ خیز اور انتہائی بودہ موقف ہے، بھلا جو آیا ہوا ہے اور حکم ربانی سے کہیں موجود ہے وہ تو ایک تصدیق شدہ ہے اور

کام پر مسلسل لگا ہوا ہے وہ دوبارہ نہیں آ رہا، وہ تو حکم خداوندی کی پابندی کر رہا ہے، فضا میں اڑے اور زمین پر آ جائے، سفر معراج پر تشریف لے جائیں اور واپس تشریف لے آئیں تو کیا یہ "دوبارہ آنا" سمجھا جائے گا! رب نے جب تک چاہا اس وقت تک وہ سنگدل یہودیوں کو راہ راست پر لانے پر لگے رہے، جب چاہا انہیں آسمانی دنیا میں باقی زندگی گذارنے کا حکم دے دیا، جب چاہے گا انہیں زمین پر اترنے کا حکم دے دے گا جہاں ان کی طبعی وفات ہو گی اور بس!

یہ تو چند تعارفی اور تمہیدی باتیں تھیں جن پر میلادِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قران سعدین کے پاکیزہ ترین حاصل پر گفتگو سے پہلے قدرے وضاحت سے روشنی ڈالنا بے انتہا مفید اور بے حد ضروری تھا تا کہ یہ پیش نظر رہے کہ ہم کسی معمولی انسانی بچے کی ولادت کا ذکر نہیں کرنے لگے بلکہ بے انتہا (جس کے بعد کوئی انتہا یا کوئی گنجائش یا فاصلہ نہیں رہتا) اور بے حد (جس کے بعد کوئی حد نہیں رہ جاتی) غیر معمولی و منفرد ابن آدم کی پیدائش کی بات کرنے لگے ہیں، وہ بے شک حضرت عبدالمطلب کے پوتے، حضرت عبداللہ کے فرزند اور سیدہ آمنہ کے لال اور لخت جگر ہیں مگر عام ابن بشر نہیں بلکہ بقول شاعر:

مُحَمَّدٌ بَشَرٌ وَ لَیْسَ کَالْبَشَرِ هُوَ یَاقُوْتَةٌ وَ النَّاسُ کَالْحَجَرِ

یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو بشر مگر عام بشر کی طرح نہیں ہیں، بس یوں سمجھو کہ وہ تو یاقوت ہیں جبکہ عام انسان پتھروں کی مانند ہیں (ہر پتھر تو یاقوت و مرجان نہیں ہو سکتا لیکن یاقوت و مرجان کو بھی عام پتھر سمجھنا بے ادبی اور بے قدری ہے!)، اس لئے میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کرتے وقت نہ صرف ان کی انفرادیت اور امتیاز کو ملحوظ رکھنا لازم ہے بلکہ عقل کے ناخن لے کر اور پوری طرح ہوش سنبھال کر بات کرنا پڑتی ہے، بقول حضرت عزت بخاری:

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

قانون قدرت یہ ہے کہ عمومی طور پر فضاؤں میں ظاہر ہونے والی کسی تبدیلی کی پیشگی خبر کسی کو نہیں ہو پاتی لیکن جب پیاسی زمین کے لئے بارانِ رحمت نے آنا ہوتا ہے تو پھر ایسی پیشگی علامات سامنے آنا شروع ہو جاتی ہیں جو بارش کا پتہ دیتی ہیں تو انسان تو پھر انسان ہے اور مافوق الحیوان ہے مگر اس موقع پر تو چرند، پرند اور درند بھی آنے والی اس غیر معمولی تبدیلی کو بھانپ لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد جس کی تورات وانجیل میں پیشین گوئیاں موجود ہوں، اور، چھ صدیوں سے جس کا سب کو انتظار ہو اور جس کے حوالے سے یہود و نصاریٰ کے مذہبی پیشواؤں کی فکر مندی و بے قراری نے ایک دھوم مچا رکھی ہو، جس پر تاریخ بھی گواہ ہے، کیا وہ کوئی معمولی فرد بشر ہو سکتے ہیں (والعیاذ باللہ!) ہاں اگر کوئی اپنی آنکھ، کان اور زبان بند کر لے اور عقل و بصیرت کو تالے لگا لے تو یہ الگ بات ہے، ورنہ آمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِرہاصات، غیر معمولی پیشگی واقعات اور قبل از وقت اشارات کی ایک دنیا تھی جس کا مطالعہ نگاہِ پاک، قلب مؤمن اور عقل سلیم والے بندگان حق ہی کر سکتے ہیں، یہ تمام غیر معمولی حوادث و واقعات غیر معمولی مستقبل کی خبر دیتے ہیں اور یہ مستقبل ہے انسانِ کامل اور مافوق البشر کی آمد!

حضرت عبداللہ جب کبھی بھی لات ومنات اور ہبل وعزیٰ نامی بتوں کے پاس سے بھی گذر جاتے تو ان بتوں پر بھی لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں کہ ان کی پشت میں جو نور ہے اس نے ہمیں پاش پاش کر (۱۳) دینا ہے! شجر و حجر سے بھی کچھ ایسی ہی غیر معمولی باتیں اور آوازیں سنائی دیتی (۱۴) تھیں! سیدہ آمنہ، سلام اللہ علیہا، کا یہ فرمانا کہ عام طور پر ممتا کو دوران حمل جو مشکلات و تکالیف پیش آیا

کرتی ہیں، ان میں سے مجھے کوئی مشکل یا بوجھ کبھی بھی محسوس نہیں ہوا تھا، اور ان سے ہاتف غیبی کا یہ کہنا کہ آمنہ! تمہارے پیٹ میں اس امت کا نبی پرورش پا رہا ہے! جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام احمد رکھنا اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی مانگنا کہ: (۱۵)

''اللھم! قد سمیتہ احمد، و أعیذہ بالواحد الصمد، من شر کل حاسد'' (یعنی اے اللہ! میں نے اپنے فرزند کا نام رکھا ہے احمد، اسے میں اس کی پناہ میں دیتی ہوں جو ہے واحد اور صمد (بے نیاز)، تو وہی اسے بچائے رکھے گا ہر حاسد کے شر سے!)

یہ سب اسی نوع کے غیر معمولی پیشگی واقعات یا ارھاصات تھے، یہ تو سیکولر گورے بھی مانتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ آنے والے حوادث کے سائے پہلے ہی دکھائی دینے لگتے ہیں:

The coming events cast their shadows before

تو اب بھی اگر کوئی یہ نہ مانے کہ انسانی تاریخ کا سب سے بڑا ابن آدم جب دنیا میں آنے لگا تھا، جس پر وہ دستور عدل اور امن اور آزادی و مساوات اترنے والا تھا، جس نے انسانیت کا مقدر سنوارنا تھا، سب سے بڑا مگر تعمیری اور پر امن انقلاب برپا کرنا تھا اور انسانی تاریخ کا رخ محض بدلنا ہی نہیں تھا بلکہ اسے صحیح سمت پر بھی ڈالنا تھا، تو اس ہستی کی دنیا میں آمد کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔

چنانچہ ان کی ولادت باسعادت سے صرف پچپن دن پہلے سرزمین حجاز میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا تھا جو بلا شبہ تاریخ کے دھماکہ خیز واقعات بلکہ حق کے معجزات میں سے بھی تھا، جس نے تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دینا تھا! ہوا یہ تھا کہ غیظ و غضب سے پاگل حبشی جرنیل ابرہہ الاشرم خانہ کعبہ کو ملیا میٹ کر کے یمن کی طرح حجاز پر بھی عیسائیت کا جھنڈا لہرانے کے جنون میں ایک طوفان آفات بن کر چڑھ دوڑا تھا! اس

کے پاس اس زمانے کے خوفناک ٹینکوں یعنی ہاتھیوں کا ایک لشکر جرار تھا! وہ بیت اللہ کو ہمرنگِ زمین بنا کر مکہ اور اہل مکہ کو بھی پیس دینے کے ارادے سے آیا تھا! یہ اصحاب الفیل یا ہاتھیوں کے لشکر والے اگر اپنے ارادے میں کامیاب ہو جاتے تو دنیا کی تاریخ وہ نہ ہوتی جو آج ہے۔ ربع صدی کے اندر اندر جزیرہ عرب میں وہ پر امن انقلاب نہ برپا ہو سکتا جس نے دنیائے انسانیت کا مقدر سنوار دیا! صرف ایک ربع صدی کے اندر شیطانی سپر طاقتوں کے ہوس ملک گیری سے انسانیت کو نجات دلا کر، ان کے تاج وتخت الٹ پلٹ کر تین براعظموں پر ایسی شاندار اسلامی سلطنت قائم کر دی جس کا شعار امن وسلامتی، عدل ومساوات اور احترام آدمیت تھا اور ایک ایسی انسان دوست تہذیب کی بنیاد رکھی جس کے آج تک تاریخ گن گاتی ہے! اگر ابرہہ اس وقت یمن و حجاز سمیت عرب دنیا پر عیسائیت کا جھنڈا لہرا دیتا تو نہ آج کوئی حرم ہوتا، نہ کوئی مسلمان ہوتا، نہ توحید ربانی کا چرچا ہوتا، نہ انسانیت کا بول بالا ہوتا بلکہ نہ یورپ پر علم اور سائنس کا سورج طلوع ہو سکتا تھا اور آج بھی انسان اسی طرح ان تاریکیوں میں بھٹک رہا ہوتا! کتنی عجب بات ہے کہ غیظ وغضب کی آگ میں جلنے والے اور بپھرے ہوئے وحشی حبشی جرنیل کو قریش کے ایک مردِ عزم ویقین عبدالمطلب بن ہاشم کے ایک لفظ حق نے نفسیاتی موت مار دیا کہ ''مجھے بیت اللہ کی کیا فکر! اس کا تو رب ہے جو اس کا دفاع کرتا ہے!'' جس لشکر کا سپہ سالار نفسیاتی موت مر جاتا ہے وہ ابابیلوں اور ممولوں سے بھی شکست کھا جاتا ہے! اس محیر العقول واقعہ سے صرف پچپن دن بعد آفتاب رسالت طلوع ہوتا ہے جس نے تاریخ انسانی کا رخ بدل کر اسے صحیح سمت پر ڈال دینا تھا!!

مؤرخین وسیرت نگار ذکر کرتے ہیں کہ اصح الاقوال کی رو سے یہ پیر کی صبح تھی، ماہ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ تھی، نوشیروانِ عادل کی تخت نشینی کو چالیس یا بیالیس برس ہو چکے تھے جب قران سعدین کا پاکیزہ ترین حاصل آمنہ کا لال انسانیت کا

مقدر بدلنے کے لئے دنیا میں تشریف لے آئے! امام جمال الدین ابن الجوزی کا یہ کہنا ہے کہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے روز، ماہ ربیع الاول میں، عام الفیل (ہاتھی والے سال) پیدا ہوئے (اتفقوا علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وُلِدَ یوم الاثنین فی شھر ربیع الاول عام الفیل) مگر ربیع الاول کی تاریخ کے سلسلے میں چار اقوال ہیں: دو، آٹھ، دس اور بارہ ماہ ربیع الاول (۱۶)!

تاہم آخری قول زیادہ معتبر ہے، لیکن پیر کے دن اور ربیع الاول کے مہینے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے، کہا گیا ہے کہ آپ پیر کے دن روزہ رکھتے اور فرماتے تھے کہ پیر کے دن کو میری زندگی میں بڑی اہمیت حاصل ہے، اسی دن میں پیدا ہوا، اسی دن مجھے منصب نبوت عطا کیا گیا اور اسی روز میری ہجرت ہوئی! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا دن بھی پیر ہی کا دن ہے!

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو اس وقت آپ کے دادا عبدالمطلب بیت اللہ کے جوار میں حجر (حاء کا کسرہ اور جیم کا سکون، کعبہ کے مغربی جانب گول دیوار تھی اسے حجر کہتے تھے اور اشراف قریش یہاں بیٹھا کرتے تھے، اس وقت عبدالمطلب بھی حجر میں ہی تشریف فرما تھے) یہاں انہیں حضرت آمنہ نے ان کے پوتے کی پیدائش کی خوشخبری بھجوائی، وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور خوشی خوشی تشریف لے آئے تو حضرت آمنہ نے بے تکلفی اور احترام کے الفاظ کے ساتھ انہیں مخاطب کیا کہ ''ابوالحارث مبارک ہو! پیدائش کے وقت آپ کے پوتے کی انوکھی باتیں دیکھنے کو ملیں!'' پھر انہوں نے تمام باتیں کہہ سنائیں جو پیش آئی تھیں، جیسے گھٹنوں کے بل زمین پر آنا، دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت کا آسمان کی طرف اٹھنا اور ایسی روشنی کا نمودار ہونا جس سے یوں لگا کہ مشرق ومغرب کو روشن کر دیا گیا ہے اور شام کے در و دیوار دکھائی دینے لگے! یہ سب باتیں سن کر عبدالمطلب بہت خوش ہوئے اپنے عظیم پوتے کو اٹھا کر بیت

اللہ میں لے گئے اور دعا و شکر کے کلمات ان کی زبان پر تھے!(۱۷)

حضرت عبدالمطلب ادبی ذوق وشوق رکھنے والے قریشی تھے، اپنے بیٹے عبداللہ کو اٹھاتے کھلاتے گدگداتے ہوئے رجزیہ کلمات کہہ جاتے تھے، سعادتمند پوتے کی پیدائش پر تو ان کی خوشی و مسرت کی کوئی حد نہ تھی چنانچہ اس موقع پر اپنے دریتیم پوتے کو اٹھا کر کھلاتے ہوئے ان کا ادبی ذوق جوش مارنے لگا تو یہ رجزیہ کلمات ان کی زبان پر آ گئے اور فرمایا(۱۸):

الحمد لله الذی اعطانی هذا الغلام الطیب الاردان

قد ساد فی المهد علی الغلمان أعیذه بالله ذی الأرکان

حتی أراه بالغ البنیان أعیذه من شر ذی شنآن

من حاسد مضطرب العنان

۱۔ اس اللہ کے لئے حمد و شکر ہے جس نے مجھے یہ بچہ عطا فرمایا ہے جس کا ظاہر و باطن پاکیزہ ہے۔

۲۔ وہ بچہ جو گہوارے میں ہی بچوں کا سردار بن گیا ہے، میں اسے خدا کی پناہ میں دیتا ہوں جو وسائل طاقت وقوت والا ہے!

۳۔ میری تمنا ہے کہ میں اسے مضبوط بنیادوں والا دیکھوں! میں اسے ہر شر پسند دشمن کے حسد سے بچانے کے لئے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

۴۔ میں اس کے لئے ہر بدخواہ و بدزبان حاسد سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں!

سخت کوشی، جفاکشی، ہمت اور بہادری کے گر سکھانے کے علاوہ فصاحت زبان کے لئے بھی سرداران قریش کے بچے قبائلی ماحول میں بھیجے جاتے تھے، قبیلہ بنو سعد بن بکر اپنی شرافت، مروت، بہادری اور فصاحت زبان کے لئے مسلم تھا، بنو سعد کی عورتیں قریش کے بچے پالنے کے لئے لے جاتی تھیں، یہ عورتیں جب مکہ آئیں تو یہ

جان کر کہ یہ بچہ یتیم ہے ان میں سے کوئی بھی سیدہ آمنہ کے پاس نہ آئی مگر ازل سے یہ سعادت بھی حلیمہ سعدیہ - اسم با مسمی یعنی حلم اور سعادت - کے لئے مقدر ہو چکی تھی! حضرت آمنہ نے فرمایا! حلیمہ! اس در یتیم کو لاوارث مت سمجھنا! یہ بنو زہرہ کا نواسہ، بنو ہاشم کا پوتا اور اپنے دادا عبدالمطلب کا چشم و چراغ ہے! اور یہ بالکل سچ تھا! اسم با مسمی بردبار، خوش نصیبی والی حلیمہ سعدیہ واقعی دنیا و آخرت کی سعادت سمیٹ کر اپنے ساتھ لے گئی تھیں! قبیلہ بنو سعد کے لوگ آج بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعت پر خوش ہوتے اور فخر کرتے ہیں! آج بھی جو مسلمان ان کے ہاں جاتا ہے اس کی راہ میں آنکھیں بچھا دیتے ہیں اور میزبانی میں ہر حد سے گذر جاتے ہیں! رضاعی ماں بن کر خوش نصیب حلیمہ سعدیہ نہ صرف یہ کہ سعادت دارین سمیٹ کر لے گئیں بلکہ تاریخ کے صفحات میں خود بھی زندہ جاوید ہو گئی ہیں! ہر سچا مسلمان انہیں اپنی ماں کا درجہ دیتا ہے اور صرف ان کی خاطر آج بھی ان کی نسلوں کو بھی سلام احترام و محبت پیش کرنا اپنے لئے ایمان کا حصہ تصور کرتا ہے!

قران سعدین کے جس پاکیزہ ترین حاصل یا دوسرے لفظوں میں جس بیمثال و بے نظیر مولود سعید کی ہم بات کر رہے ہیں، انہیں خدا نے پوری انسانیت کے لئے قابل تقلید نمونہ بنایا ہے ہر فرد، ہر گروہ اور ہر طبقہ کے لئے آپ کے وجود اور ذات میں، سیرت و تعلیمات میں عملی زندگی کے ہر قدم میں سب کے لئے رہنمائی کا سامان ہے، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ والد گرامی ولادت سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے اور پھر چھ سال کی عمر تھی جب والدہ ماجدہ کی شفقت اور رافت بھی ختم ہو گئی آخر اس یتیمی کی زندگی میں کیا حکمت تھی؟ سچ یہ ہے کہ ہر جگہ اور ہمیشہ سے آج تک انسانی معاشروں میں یتیمی ایک ایسا مسئلہ رہا ہے جو دردناک بھی ہے، ہولناک بھی اور بے حد الجھا ہوا بھی ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ اس مسئلہ کے حل کے لئے بھی اس کے

محبوب ترین رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عملی زندگی نمونہ ثابت ہو، اور وہ اس طرح کہ دوسرے انسانی افراد، گروہوں اور طبقات میں سے ہر ایک کے لئے آپ ہی کا اسوۂ حسنہ اکسیر کا کام دے، یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت وسیرت تمام مسائل کے لئے کامیاب حل ثابت ہو، ہر یتیم خوشی اور تسلی کے ساتھ ان کی پیروی میں فخر محسوس کرے اور کامیابی سے بھی ہمکنار ہو، اسی طرح جوانی، کہولت اور زندگی کے تمام مراحل کے لئے بھی قابل تقلید عملی نمونے موجود ہوں، انسان بیٹا ہو تو کیسے سلوک کرے، باپ ہو، بھائی ہو، دوست ہو، پڑوسی ہو، تاجر ہو، قائد ہو، فاتح ہو، حاکم ہو، معلم ہو، واعظ ہو، آقا ہو، بڑا ہو، چھوٹا ہو، الغرض زندگی کے کسی مرحلے میں کہیں بھی ہو تو وہ کیا کیا کرے اور کیسے کرے؟ یہ سب کچھ آپ کے اسوۂ حسنہ میں اس لئے موجود ہے کہ حکمت خداوندی نے انہیں ہر میدان میں، ہر مرحلہ سے اور ہر مشکل سے گذارا ہے اور کامیاب وکامران گذارا ہے تب جاکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانیت کے لئے کامل نمونہ بنے ہیں! (۱۹)

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں اپنے حبیب پاک کو خود ان مراحل سے گذارنے کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہوتا ہے: (۲۰)

"کیا تیرے رب نے تجھے یتیم نہیں پایا تھا مگر آپ کے لئے خود پناہ اور سہارے پیدا نہیں کئے!؟ اور تجھے (غارِ حرا میں) طالب ہدایت پایا تو آپ کو رستہ نہیں دکھایا؟ اس نے تجھے تنگ دست پاکر مالدار نہیں بنایا؟ تو پھر آپ اب یتیم کو بے بس نہ بنایئے اور سوال کرنے والے کو ڈانٹ نہ پلایئے!"

ولادت سے وصال تک بچپن میں، جوانی میں، بڑے ہو کر ہر قدم پر خدا نے آپ کو اپنی عصمت وحفاظت میں رکھا! فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (پیارے! آپ تو ہماری نظر کے سامنے رہے ہیں) اور واللہ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (اللہ ہی نے آپ کو لوگوں سے

بچانا ہے)۔ یہ سب نظام قدرت کی حفاظت کے پہلو ہیں جو اللہ نے اپنے محبوب کے لئے خود مہیا فرمائی تھی! اسی کے نظام قدرت نے عبدہٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ کو ولادت سے وصال تک، بچپن سے جوانی تک اور پھر بڑے ہو کر زندگی کے ہر لمحے اور ہر مرحلے میں قران سعدین کے اس پاکیزہ ترین حاصل کو انسانیت کا قائد، ہادی اور نجات دہندہ بنا کر یہ ثابت کر دیا کہ اس نے یہ کائنات اپنے اسی محبوب کے لئے پیدا کی مگر انہیں اپنے رب کی پہچان کروانے، توحید کا ڈنکا بجانے، انسانیت کا بول بالا کرنے اور خدا کے بندے بنانے کے لئے ہی مبعوث فرمایا گیا تھا!

بنو ہاشم کے یوسف وادیٔ بطحاء یکتائے روزگار عبداللہ اور سیدہ بنوزہرہ آمنہ بنت وہب کے فرزند ارجمند جو قران سعدین کا حاصلِ طیب و طاہر ہیں ان کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لئے اسوۂ حسنہ (خوبصورت عملی نمونہ) قرار دیا ہے، قرآن کریم میں ان کے حوالے سے جو آیات مکرر آئی ہیں ان میں سے ایک آیت وہ ہے جو بیک وقت تین سورتوں میں وارد ہوئی ہے اور یہ تو معلوم اور مسلم ہے کہ یہ تکرار اپنے اندر ایسا تنوع رکھتا ہے جو معجزانہ فصاحت و بلاغت کا بلند ترین درجہ ہوتا ہے، سورت بقرہ میں یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ، علیہ السلام، کی دعائے مستجاب کا رنگ لئے ہوئے ہے، پھر سورت آل عمران میں یہی آیت اللہ رب العزت کے احسان کو ظاہر کرتی ہے جو اس نے ہم اہل ایمان پر فرمایا ہے اور تیسری مرتبہ الفاظ و اسلوب کے معجزانہ تنوع کے ساتھ سورت الجمعہ میں اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت اور توحید کو ظاہر کرنے اور منوانے کا اعلان بن کر وارد ہوئی ہے کہ وہ رسول اعظم و آخر جو ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کی قبولیت بن کر آئے، اہل ایمان و اہل دنیا پر اللہ کا احسان بن کر آئے وہی ذات اللہ تعالیٰ کے وجود، توحید اور شان کو دنیا سے منوانے کے لئے تشریف (۲۱) لائے، اسی رسول اعظم و آخر کی ذات ہمارے لئے کامل اور خوبصورت عملی نمونہ ہے! (۲۲)

تریسٹھ سالہ حیات طیبہ میں سے چالیس سال اعلان نبوت سے پہلے کی زندگی بچوں خصوصاً یتیم بچوں کے لئے رول ماڈل ہے، جوانوں کے لئے اور عملی زندگی کے ہر کام کے لئے اعلیٰ نمونہ ہیں اور پھر تیئس سالہ دور نبوت کی زندگی میں جو عملی نمونے ہیں وہ تو ہر طلبگار کی تسلی کرتے ہیں، اس زندگی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر متلاشی حق کے لئے تسلی بخش نمونے فراہم کر دیئے ہیں، اس عرصہ میں آپ کو ہر عملی تجربہ سے گذارا گیا اور ہر شرف سے آپ کو نوازا گیا، اب کوئی بھی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے لئے تو نمونہ نہیں ہے یا فلاں شرف تو، معاذ اللہ، آپ کو عطا نہیں ہوا، حتیٰ کہ اس سائنسی ترقی کے دور میں اڑنے والے یا خلاؤں میں پرواز کرنے والوں کے لئے بھی اسراء (مکہ سے القدس تک) اور آگے کے افلاک وابراج کے لئے معراج کے عملی نمونے موجود ہیں، بلکہ اس چیلنج کے ساتھ کہ آپ کے لئے تو سواری کا انتظام اللہ رب العزت نے فرمایا مگر انسانوں نے اپنے علم اور تجربہ کے بل بوتے پر وسائل ایجاد کر کے کائنات کی تسخیر کرنا تھی، یہ اسراء و معراج از روئے قرآن (۲۳) ایک چیلنج بھی تھا، دعوت عمل بھی اور سبق بھی، اور کوئی جانے نہ جانے اور مانے نہ مانے مگر اقبال تو یہ جانتے بھی تھے، مانتے بھی تھے، اس لئے فرما گئے (۲۴) ہیں کہ:

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں!

حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرانِ سعدین کا پاکیزہ ترین اور محبوب ترین حاصل بھی ہیں اور تخلیق کائنات کا مقصود اصلی بھی مگر سب سے پہلے اور سب سے آخری نبی و رسول بھی ہیں، لیکن آپ کی نبوت و رسالت تمام جہانوں پر محیط اور تمام زمانوں کے لئے دائمی ہدایت بھی ہے، آپ کے یہ اوصاف اور یہ امتیازات بے مثال بھی ہیں اور بے نظیر بھی، یہی وجہ ہے کہ گذشتہ پندرہ صدیوں سے آج بھی ایک گروہ

اور اس کے اکسانے پر کچھ لوگ اور بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سخت ترین حسد و عداوت بھی رکھتے ہیں اور آپ ہی کے شدید ترین مخالف اور دشمن بھی بنے ہوئے ہیں بلکہ یہ تو پیدائش سے پہلے ہی آپ کے درپے تھے لیکن پیدائش اور ظہور نبوت کے بعد سے تو اس حسد اور مخالفت میں اضافہ اور شدت آ گئی اور آتی ہی جارہی ہے، مکہ مکرمہ میں بھی بت پرستوں اور نسل پرست یہود نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستایا، ہجرت مدینہ کے بعد بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا اور پھر صدیوں سے آپ ہی واحد نبی اور رسول یا پیشوائے دین ہیں جن کو سب سے زیادہ ستایا جارہا ہے اور نفرت وحسد کا نشانہ بنایا جارہا ہے اور وجہ صاف ظاہر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی توحید ربانی، وحدت و احترام نسل انسانی اور آزادی ومساوات کے علمبردار ہیں!! تو بھلا نسل پرستی کے غرور میں اور بت پرستی کے نشہ میں چور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برداشت کریں تو کیسے کریں؟

مگر اللہ تعالیٰ قدیر وبصیر کا یہ اعلان ہے کہ توحید ربانی کا ڈنکا بجے گا، نسل انسانی کے احترام، آزادی اور مساوات کا بول بالا ہو کر رہے گا، آپ نے یہ دیکھا ہے کہ ابراہیم، علیہ السلام، کی دعائے مستجاب والی آیت کریمہ قرآن کریم میں تنوع اور تکرار کے ساتھ تین بار آئی ہے، لیکن غلبۂ حق کے اعلان والی آیت بھی معجزانہ تنوع اور تکرار کے ساتھ تین مرتبہ تین سورتوں میں وارد ہوئی ہے، سورت توبہ (آیت ۳۲-۳۳) میں فرمایا گیا: ''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھادیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کی اس خواہش اور کوشش کو ٹھکراتے ہیں اور یہ اعلان فرماتے ہیں کہ وہ اپنے نور کو غالب اور مکمل فرمائیں گے خواہ منکرین اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں! اللہ تعالیٰ تو وہ ہستی ہیں جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت اور دستور حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ وہ اپنے اس دستور حق یعنی توحید ربانی اور آزادی ومساوات انسانی کو، غالب کردے خواہ مشرکین اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں''۔

پھر سورت الفتح جو بغیر ہتھیار اٹھائے حاصل ہونے والی فتح مبین تھی کے نتیجہ میں انجام پانے والی صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی (۲۸/۴۸) میں فرمایا گیا کہ ”اللہ تعالیٰ وہ ہستی ہیں جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت اور دستور حق دے کر بھیجا ہے تا کہ اس دستور حق کو تمام ادیان و دساتیر پر غالب کر دے!“ اور پھر یہی فرمان سورت الصّف (۸-۹) میں الفاظ کے معجزانہ تنوع اور تکرار کے ساتھ دہرایا گیا ہے کہ: ”یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نور کو پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کر کے ہی رہیں گے خواہ منکرین اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں، اللہ تعالیٰ وہ ہستی ہیں جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت اور دستور حق دے کر بھیجا ہے تا کہ وہ اپنے دین و دستور حق کو تمام ادیان و دساتیر پر غالب کر دے“۔

کتاب عزیز کی اسی بات کو مولانا ظفر علی خان نے شعر کی زبان دی ہے (۲۵):

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

حوالے اور حواشی

حضرت عبداللہ کے اجداد: صنادید قریش

(۱) دیوان بشار بن برد ص ۵۳۴، الاغانی ۱۶/ ۷۵۔

(۲) دیوان ابن رومی ۲ /۱۶، البلاغۃ الواضحۃ ص ۵۵۔

(۳) قرآن کریم ۴۹/ ۱۳۔

(۴) قرآن کریم ۴۹/ ۱۳۔

(۵) السیرۃ الحلبیۃ ۱/۱۶، الروض ۱/۶۷، سبل الہدیٰ والرشاد ۱/۲۷۵، صفۃ الصفوۃ ۱/ ۴۷۔

(۶) جمہرۃ انساب العرب ص ۱۴-۲۴، ابن سعد ۱/۱۸-۸۵، ابن ہشام ۱/ ۸-۲۱، الروض ۱/ ۱۰-۳۱۔

(۷) الصحاح، التاج (ق ر ش)، ابن ہشام ۱/ ۲۷، الروض الانف ۱/ ۲۸، ابن سعد ۱/ ۳۷۔

(۸) دیوان حسان بن ثابت مع شرح البرقوقی ص ۶۳۔

(۹) جمہرۃ انساب العرب ص ۱۵-۵۵، ابن سعد ۱/ ۶۷-۷۷، الروض ۱/ ۱۰-۳۱۔

(۱۰) کلیات اقبال اردو ص ۱۵۹۔

(۱۱) قرآن کریم ۳/ ۹۶۔

(۱۲) ابن سعد ۱/ ۳۵۔

(۱۳) قرآن کریم ۲/ ۱۲۷-۱۲۸، ۳۷/ ۱۰۲-۱۰۹۔

(۱۴) ابن سعد ۱/ ۱۸-۸۵، فلاتنس اللہ ص ۶۳۔

(۱۵) مسلم الغدص ۷۵۔

(۱۶) فلاتنس اللہ ص ۱۱۵۔

(۱۷) ایضاً۔

(۱۸) قرآن کریم ۴/ ۱-۲، ۳/ ۸۲۔

(۱۹) ابن سعد ۱/ ۶۷۔

(۲۰) ابن سعد ۱/ ۶۷-۷۴، الروض ۱/ ۲۷۲۔

(۲۱) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، علیہ الرحمہ، نے اس موضوع پر مقالات بھی لکھے ہیں اور مکہ کی پہلی شہری مملکت کے عنوان سے ایک کتاب بھی لکھی ہے، ابن سعد ۱/۶۷-۷۷۔

(۲۲) ایضاً۔

(۲۳) ابن سعد ۱/۶۷-۸۶۔

(۲۴) ایضاً۔

(۲۵) ایضاً۔

(۲۶) ایضاً۔

(۲۷) ایضاً۔

(۲۸) ایضاً، الروض الانف ۱/۷۰، ابن سعد ۱/۸۵، ابن ہشام ۱/۷۹۔

قریش کا مردِ عزم ویقین عبدالمطلب

(۱) جمہرۃ انساب العرب ص ۱۵، الطبقات ۱/۹۱-۸۸، الروض الأنف ۱/۲۱-۱۴

(۲) الطبقات ۱/۸۸-۷۵، ابن ہشام ۱/۱۴، الروض ۱/-۱۶-۱۴

(۳) الطبقات ۱/۸۲، المطلب ایک نرم دل انسان، ہمدرد اور محبت کرنے والے آدمی تھے، انہیں اپنے بھائیوں، خصوصاً ہاشم سے بہت پیار تھا، وہ اپنے بھائیوں کی اولاد سے بھی ایسے ہی پیار کرتے تھے، انہوں نے جب اپنے بھتیجے عامر یعنی شیبۃ الحمد کی باتیں سنیں تو بیقرار ہو گئے، وہ چپکے سے یثرب پہنچے اور پوچھتے ڈھونڈھتے دور سے شیبۃ الحمد کو دیکھ لیا وہ نوجوانوں کے ساتھ تیراندازی کا مقابلہ کر رہا تھا، بڑھکر گلے لگالیا اور آنسو بہاتے ہوئے پیار کرتے ہوئے یمنی حلہ اوڑھوایا اور زبان پر یہ شعر تھے:

عرفت شیبة والنجارقد حفلت ابناؤها حوله بالنبل تنتضل

عرفت اجلاده منا وشيمة ففاض منى عليه وابل سبل

یعنی میں نے شیبہ کو بنونجار کے جوانوں کے جھرمٹ میں پہچان لیا جو اس کے گرد تیراندازی کر رہے تھے، میں نے اسے اس کے جسم کی ساخت اور اخلاق کے طفیل پہچان لیا تو میری آنکھوں سے سیلاب بہہ نکلا۔

(۴) الطبقات ۱/-۸-۷، تاریخ الخمیس ۱/۸۳، ابن ہشام ۱/۲۵-۱۵۔

(۵) ایضاً۔

(۶) دیوان باہو فارسی ص ۲۳۔

(۷) کتاب معانی الشعر ص ۱۶۔

(۸) الطبقات ۱/۹۱۔

(۹) تاریخ الخمیس ۱/۸۹، الطبقات ۱/۷۸، السیرۃ الحلبیۃ ۱/۲۱۶۔

(۱۰) ایضاً۔ (۱۱) ایضاً۔

(۱۲) ایضاً۔ (۱۳) الطبقات ۱/۸۹۔

(۱۴) اسیرۃ الحلبیۃ ۱/۷۷۔ (۱۵) قرآن کریم ۲/۱۴۶۔

(۱۶) ایضاً ۲/۸۹۔ (۱۷) ایضاً ۵/۸۲۔

(۱۸) ایضاً ۱۰۵/۱-۵۔

(۱۹) ابن ہشام ۱/۱۷۲، الروض ۱/۱۸۱، اس مناسبت سے حضرت ابوطالب کا مشہور لامیہ اور میمیہ قصیدہ پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے، میمیہ قصیدہ میں فرمایا

اذا اجتمعت یوماً قریشُ لمفخرٍ فعبد مناف سرھاو صمیمھا

فان حصلت اشراف عبدمنافھا ففی ہاشم اشرافھا وقدیمھا

وان فخرت یوما فان محمدا ہوالمصطفی من سر ھاوکریمھا

یعنی اگر قریش کبھی کسی فخر کی بات پر ایک ہوں تو پھر انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کی اصل اور بنیاد عبد مناف ہیں؟ اور اگر عبد مناف کے تمام شرفاء یک جا ہو جائیں تو پھر یہ مت بھولیں کہ ان کی شرافت اور عزت تو بنو ہاشم ہیں! اور اگر قریش کو کسی پر فخر کرنا ہو تو پھر جان لیں کہ محمد ﷺ ان کی اصل اور شرافت کا جوہر ہیں!

(۲۰) ایضاً۔ (۲۱) ایضاً۔

(۲۲) ایضاً۔ (۲۳) ایضاً، الروض ۱/۱۵-۲۱۔

(۲۴) ایضاً۔ (۲۵) معجم البدان ۱/۲۲۔

عبدالمطلب کے گھرانے میں ایک عبداللہ!

(۱) الاصابہ ۲/۱۶، الاستیعاب ۳/۱۲۷، ابن سعد ۱/۶۷-۷۷، الروض ۱/۱۷۲ (اور شاید یہ پہلا نام ہو جو رسول اللہ ﷺ نے بدل کر اصلاح کا آغاز اپنی ذات اور اپنے گھر سے فرمایا!؟)۔

(۲) عمر الفاروق ص ۵۷۲۔
(۳) ابن سعد ۱/۶۷-۷۰۔
(۴) ایضاً۔
(۵) الروض ۱/۱۷۲-۱۷۸۔
(٦) معجم البدان ۱/۱٦۔
(۷) ابن سعد ۱/۲۰۷۔
(۸) ایضاً۔
(۹) قرآن کریم ۱۹/۷۔
(۱۰) ایضاً ۱۱/۴۹۔
(۱۱) ایضاً ۳۷/۵۳-۳۸۔
(۱۲) ابن سعد ۲/۸-۱۹، تاریخ الخمیس ۱/۲۴۵، الروض ۲/۱۳۱۔
(۱۳) ایضاً۔
(۱۴) جمہرۃ انساب العرب ص ۱۵-۱۷۔
(۱۵) شیخ ابوالفضل ختلی ص ۴۷-٦۷۔
(۱٦) قرآن کریم ۱/۱۷۔
(۱۷) البحر المحیط ۳/۱٦، تفسیر کبیر ۱٦/۱۱۷-۱۳۷۔
(۱۸) کلیات اقبال فارسی ص ۱٦۷-۱۷۷۔
(۱۹) قرآن کریم، ۱۹/۲۸-۳۲۔
(۲۰) یضاً ۱۸/٦۵-٦٦۔
(۲۱) کلیات اقبال فارسی ص ۱٦۷-۱۷۷۔

یوسفِ وادیٔ بطحاء یکتائے روزگار عبداللہ

(۱) جمہرۃ انساب العرب ص ۱۳۷، ۵۳۸، الصفوۃ ۱/۲۳۵-۲۴۵۔
(۲) قرآن کریم ۳/۱-۳۔
(۳) طبقات ۱/٦۷-۹۰۔
(۴) ایضاً۔
(۵) قرآن کریم ۱۲/۸۴-۸۷۔
(٦) تاریخ الخمیس ۱/۱۸۲-۱۸۳۔
(۷) جمہرۃ ص ۱۴، ۳۳۵، طبقات ۱/٦۷-۸۷۔

(۸) قرآن کریم ۲۶/۲۱۹۔

(۹) طبقات ۱/۹۰-۱۰۳۔

(۱۰) دیوان المتنبی مع اردو ترجمہ ص ۱۴۔

(۱۱) قرآن کریم ۳/۸۱-۸۲۔

(۱۲) السیرۃ الحلبیۃ ۱/۲۷۳۔

(۱۳) تاریخ الخمیس ۱/۱۸۲-۱۸۳۔

(۱۴) ایضاً، طبقات ۱/۶۷-۹۰۔

حضرت عبداللہ کی ولادت، تربیت اور عملی زندگی

(۱) جمہرۃ ص ۱۴-۱۵، ۳۵۰-۳۵۲، طبقات ۱/۶۷-۹۹۔

(۲) ایضاً۔

(۳) قرآن کریم ۴۳/۳۱-۳۲، روح المعانی ۲۵/۲۳۔

(۴) الوفاص ۲۷۳۔ (۵) طبقات ۱/۸۶۔

(۶) جمہرۃ ص ۱۵، ۸۳۔ (۷) الروض ۱/۷۷، ۸۷۔

(۸) ایضاً، تاریخ الخمیس ۱/۱۸۲-۱۸۳۔

(۹) ایضاً۔ (۱۰) ایضاً۔

(۱۱) قرآن کریم ۱۲/۲۴-۳۷، روح المعانی ۱۲/۲۷۵۔

(۱۲) طبقات ۱/۶۷-۸۷، تاریخ الخمیس ۱/۱۸۲-۱۸۸، ابن ہشام ۱/۲۱۰، السیرۃ الحلبیۃ ۱/۱۷۷، سبل الہدی ۱/۲۷۳، المواہب اللدنیۃ ۱/۱۱۷۔

(۱۳) جمہرۃ، ص ۱۴-۱۵۔

(۱۴) الروض ۱/۲۱۰-۲۲۱۔ (۱۵) ایضاً۔

(۱۶) تاریخ الخمیس ۱/۱۸۲-۱۸۳۔

(۱۷) طبقات ۱/۹۰-۹۲، الروض ۱/۱۰۳۔

(۱۸) ایضاً۔

فرزندِ ذَبِیحَینِ والی بات

(۱) تاریخ الخمیس ۱/ ۱۸۳، الوفاص ۲۷۵، ابتدائی دور کے مؤرخین اور سیرت نگار "ابن الذبیحین" کی بات کو پس پشت ڈالتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں بالکل جیسے مکی عہد سیرت میں دار ارقم کو بھی اکثر لوگوں نے سرسری سی اہمیت دی ہے حالانکہ ابن سعد، طبری اور ابن الاثیر جیسے ثقہ مؤرخ وسیرت نگار "دار ارقم" کو "دار الاسلام" لکھتے ہیں جو مشرکین کے دار الندوہ کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ کی تبلیغی اور اصلاحی سرگرمیوں کا محور ومرکز تھا بلکہ اکثر مؤرخ تو اسے عام الفیل کی طرح دار ارقم میں نبی رحمت کے نزول کو بھی نقطہ تاریخ یا کیلنڈر کے طور پر ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں واقعہ آپ کے دار ارقم میں فروکش ہونے کے بعد کا ہے یا پہلے کا ہے، اسی طرح حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کو بھی ابتدائی دور کے لوگوں نے محض سرسری سا تاریخی واقعہ سمجھا ہے! بہر حال مکی عہد سیرت کے بے شمار پہلو فراموشی اور غفلت کی زد میں رہے ہیں، انہی میں سے ایک ابن الذبیحین والی بات بھی ہے، بھلا ہو متاخر دور کے ثقہ محدثین، مفسرین اور مؤرخین کا جنہوں نے اس بات کو پوری اہمیت دی اور ہمارے لئے نہایت قیمتی سرمایہ معلومات مہیا کر گئے جن میں سے امام ابو عبداللہ، الحاکم صاحب المستدرک علی الصحیحین، ابن الجوزی، امام شوکانی، سیوطی، صاحب کنز العمال اور امام سہیلی خصوصی ذکر اور ہمارے شکر کے مستحق ہیں!

(۲) جمہرۃ ص ۱۴-۱۵، طبقات ۱/ ۶۷-۸۷، تاریخ الخمیس ۱/ ۱۸۶۔

(۳) قرآن کریم ۳۷/ ۱۰۱-۱۱۳۔

(۴) تاریخ الخمیس ۱/ ۱۸۲-۱۸۷۔

(۵) طبری ۲/ ۱۸۷-۲۰۱، الکامل ۲/ ۱۲۵-۱۴۹۔

(۶) تاریخ الخمیس ۱/ ۱۸۲-۱۸۳، ابن ہشام ۱/ ۱۰۳، الرض ۱/ ۱۰۳، طبقات ۱/ ۱۶۷۔

(۷) قرآن کریم ۲۲/ ۲۵-۲۷۔

(۸) کتاب مقدس ص ۲۱۶، عبدالستار غوری: ذبیح کون ہے۔

(۹) تاریخ الخمیس ۱/ ۱۸۶۔

(۱۰) قرآن کریم ۳۷/ ۱۰۱-۱۱۳۔

(۱۱) کتاب مقدس ص ۱۶-۱۸۔

(۱۲) ایضاً۔ (۱۳) ایضاً۔
(۱۴) ایضاً۔ (۱۵) قصص القرآن ۲/ ۲۱۷۔
(۱۶) قرآن کریم ۱۴/ ۲۵-۴۱، کتاب مقدس ص ۱۶-۲۱، روح المعانی ۱۲/ ۲۷۵۔
(۱۷) ایضاً۔ (۱۸) روح المعانی ۱۲/ ۲۷۶-۲۷۷۔
(۱۹) قصص القرآن ۲/ ۲۱۶، روح المعانی ۱/ ۲۷۶۔
(۲۰) قرآن کریم ۲۲/ ۲۷-۳۲۔
(۲۱) ایضاً ۳۷/ ۱۰۱-۱۱۲۔
(۲۲) کتاب مقدس (اردو ترجمہ) ص ۲۱-۲۲۔
(۲۳) ابن ہشام ۱/ ۱۰۳، الروض ۱/ ۱۰۳، طبقات ۱/ ۶۷-۸۷، تاریخ الخمیس ۱/ ۱۸۲-۱۸۳
(۲۴) ایضاً۔ (۲۵) ایضاً۔
(۲۶) ایضاً۔ (۲۷) ایضاً۔
(۲۸) تاریخ الخمیس ۱/ ۱۸۲-۱۸۴، الوفاص ۲۷۳۔
(۲۹) الاغانی ۱۰/ ۲۱۶۔ (۳۰) طبقات ۱/ ۶۶-۸۸۔
(۳۱) ایضاً، محاضرات ۱/ ۴۸۶
(۳۲) ڈاکٹر محمد حمید اللہ: مکہ مکرمہ کی اولین شہری حکومت۔

آبروئے نسوانیت خوش نصیب ترین ماں

(۱) والدہ ماجدہ ص ۱۶۶-۱۱۴۔
(۲) ایضاً۔ (۳) ایضاً، طبقات ۱/ ۶۷۔
(۴) ایضاً۔ (۵) ایضاً۔
(۶) ایضاً۔ (۷) ایضاً۔
(۸) ایضاً، الروض ۱/ ۱۰۴، تاریخ الخمیس ۱/ ۱۸۲-۱۹۲۔
(۹) ایضاً۔ (۱۰) ایضاً۔
(۱۱) ایضاً۔ (۱۲) والدہ ماجدہ ص ۱۶۶-۱۱۴۔

(۱۳) ایضاً۔　　(۱۴) ایضاً۔

قِران السعدین کا مرحلہ

(۱) قرآن کریم عقل سلیم کے لئے لُبّ (جمع أَلباب) کی اصطلاح استعمال کرتا ہے اور جو عقل سلیم والے ہیں انہیں اُولُو الْأَلبَاب پختہ عقلوں والے کہتا ہے، (قرآن کریم ۳/۱۹۰، ۳۹/۱۸)۔

(۲) قرآن کریم ۳/۱۳۷، ۲۹/۲۰، ۳۰/۴۲۔

(۳) عبقریۃ الصدیق ص ۲۷۳۔

(۴) نہایۃ الارب للنویری ۱۸/۲۱۷۔

(۵) بائیبل پیدائش ص ۳۴۔

(۶) ایضاً ص ۲۷۳۔

(۷) قصص القرآن ۳/۱۱۵۔

(۸) برنباس اردو ترجمہ ص ۲۱۵، قرآن کریم ۶۱/۶۔

(۹) الوفا ص ۲۷۳۔

(۱۰) قرآن کریم ۳۰/۴۱۔

(۱۱) طبقات ۱/۹۰-۱۰۷، الروض الأنف ۱/۱۰۳-۱۰۷۔

(۱۲) آپ کے اجداد میں سے حضرت مضر کے پیشگی ایمان کا ذکر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی منسوب ہے کہ ''لا تسبوا مضر فانہ کان قد اسلم یعنی مضر کو گالی نہ دینا کیونکہ وہ تو مسلمان ہو چکے تھے'' ایضاً۔

(۱۳) ایضاً۔

(۱۴) السیرۃ الحلبیۃ ۱/۱۱۷۔

(۱۵) ایضاً۔

(۱۶) طبقات ۱/۸۶-۸۷، السیرۃ الحلبیۃ ۱/۴۵، المواهب ۱/۲۷۳۔

(۱۷) ایضاً۔　　(۱۸) ایضاً۔

(۱۹) ایضاً۔　　(۲۰) ایضاً۔

(۲۱) قرآن کریم ۲/۸۹۔

(۲۲) ایضاً ۸۱/۸-۹۔

(۲۳) ایضاً ۸/ ۳۵-۳۶۔

(۲۴) ایضاً ۱۲/ ۲۴۔

(۲۵) بوستان سعدی ص ۱۱۳۔

نصف النہار پر غروب آفتاب

(۱) تاریخ الخمیس ۱/ ۱۸۲-۱۸۳، طبقات ۱/ ۶۰-۹۰۔

(۲) ایضاً۔

(۳) ایضاً۔

(۴) ابن ہشام ۱/ ۱۰۵، الروض الأنف ۱/ ۱۰۷، طبقات ۱/ ۶۷-۹۰۔

(۵) ایضاً۔ (۶) ایضاً۔

(۷) ایضاً۔ (۸) ایضاً۔

(۸) ایضاً۔

(۹) قرآن کریم ۳/ ۱۷۱-۱۷۰۔

(۱۰) والدہ ماجدہ ص ۱۶۶-۱۱۴۔

(۱۱) ایضاً۔

(۱۲) طبقات ۱/ ۶۷-۱۰۷۔

(۱۳) الروض الانف ۱/ ۲۱۰-۲۱۴، طبقات ۱/ ۶۷-۱۰۷۔

(۱۴) قرآن کریم ۶/ ۱۲۴۔

قِران السعدین کا حاصل

(۱) قرآن کریم ۳/ ۸۱-۸۲۔

(۲) حدائق بخشش ص ۷۔

(۳) مسدس حالی ص ۲۳۔

(۴) قرآن کریم ۲/ ۲۵۸، روح المعانی ۳/ ۱۶۔

(۵) قرآن کریم ۹/ ۳۳، ۴۸/ ۲۸، ۶۱/ ۹۔

(۶) کلیات اقبال اردو ص ۶۰۸، ۶۵۴۔

(۷) الشوقیات ص ۲۳۔

(۸) صحیح مسلم طبع بیروت ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۸۴، حدیث نمبر ۲۰۵۸-۲۰۶۱۔

(۹) حدائق بخشش ص ۵۔

(۱۰) قرآن کریم ۷/۳۵۔

(۱۱) ایضاً ۳/۸۱-۸۲۔

(۱۲) کلیات اقبال اردو ص ۶۰۸۔

(۱۳) طبقات ۱/۹۰-۱۰۷، الروض الانف ۱/۱۰۳-۱۰۸۔

(۱۴) تاریخ الخمیس ۱/۱۹۶-۱۹۹، طبقات ۱/۹۰-۱۰۷، ابن ہشام ۱/۱۰۵۔

(۱۵) ایضاً۔　(۱۶) ایضاً۔

(۱۷) ایضاً۔　(۱۸) ایضاً۔

(۱۹) قرآن کریم ۲۳/۲۱۔

(۲۰) ایضاً ۹۹/۶-۱۰۔

(۲۱) قرآن کریم ۲/۲۲۹، ۳/۱۶۴، ۶۲/۱-۲۔

(۲۲) ایضاً ۲۳/۲۱۔

(۲۳) ایضاً ۱۷/۱، ۵۵/۲۳۔

(۲۴) کلیات اقبال اردو ص ۳۱۹۔

(۲۵) چمنستان ص ۲۵۔